قبر پر سورۃ بقرہ اول و آخر کی تلاوت

ایک تحقیقی جائزہ

اسد اللہ خان پشاوری

متخصص فی الحدیث و الفقہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
مدرس جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ صدر پشاور

مکتبۃ الاسد العلمیۃ بشاور

2019

جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ پشاور صدر کے مدرس مولانا مفتی اسد اللہ خان نے اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ لیا ہے، اور اس سلسلہ کی احادیث کی اسناد کے ساتھ پوری تحقیق کی ہے،اور مذاہب اربعہ کے فقہاء کی آراء ومسلک بیان کردیا ہے... یہ تحقیقی کتاب علماء کے پڑھنے کی ہے۔ مؤلف مبارک باد کے مستحق ہے کہ انہوں نے بڑی محنت سے مسئلہ کا جائزہ لیا ہے"۔

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

زیر تبصرہ کتاب اگرچہ مذکورہ مسئلہ کے انکار کی تردید میں لکھی گئی ہے لیکن اس میں محض تردید کا انداز نہیں اپنایا گیا ہے اور نہ منفی انداز میں رد وقدح کی گئی ہے بلکہ مثبت انداز میں اصل مسئلے کی حقیقت پیش کی گئی ہے۔ ضمن میں اصول حدیث کے بہت سے علمی مباحث بھی اس کتاب کا حصہ بن گئے ہیں جو علماء اور حدیث کے منتہی طلبہ کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش قبول فرمائے۔

آمین

مولانا تقی عثمانی صاحب

"آپ نے اس کتاب میں تخصص
فی الحدیث کا اچھا مظاہرہ کیا ہے"۔

مفتی [illegible] حسن [illegible] صاحب

"ہمارے دوست مفتی اسداللہ متخصص جامعہ علوم اسلامیہ
بنوری ٹاون نے اس موضوع پر قابل قدر
کام کیا، اور تحقیق کے ضمن میں بعض دیگر
مفید مباحث بھی زیر بحث لائے ہیں....
میری دعا ہے کہ اللہ پاک اس کتاب کو نافع
بنائے اور مؤلف کے لئے ذخیرہ
آخرت۔ یہ کتاب ایک تحقیقی اور علمی بحث
پر مشتمل ہے، جو علماء کرام کے لئے زیادہ
مفید ہے۔

مفتی [illegible] صاحب

قبر پر سورۃ بقرہ اول و آخر کی تلاوت

ایک تحقیقی جائزہ

اسد اللہ خان پشاوری

تخصص فی الحدیث جامعۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مدرس جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ صدر پشاور

مکتبۃ الاسد العلمیۃ بشاور

الحديث الأول

١- عن ابن عمر، قال: سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمتها في قبره».[١]

الحديث الثاني

٢-عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يابني! إذا أنا مِتُّ فالحدني فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وعلى ملة رسول الله، ثم سن علي التراب سنا، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك.[٢]

الحديث الثالث

٣-«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يابني! إذا أنا مت فضعني في اللحد وقل: بسم الله وعلى سنة رسول

---

(١) كتاب القراءة عند القبور ص٨٨، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ١/ ٢٩٢. كلاهما للخلال، المعجم الكبير للطبراني ٦/ ٢٥٥، شعب الإيمان للبيهقي ١١/ ٤٧٢،٤٧١.

-(٢) .المعجم الكبير للطبراني ٤/ ١٠٨.

الله، وسن علي التراب سنا، واقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت عبدالله بن عمر يقول ذلك».[1]

(١) تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري ٢/ ٣٤٦، حديث: ٥٢٣٨، كتاب القراءة عند القبور للخلال ص٨٧، شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة ٤/ ١٢٢٧، السنن الكبرى للبيهقي ٥/ ٤٠٤، تاريخ دمشق لابن عساكر ٥٣/ ٢٢٧.

نام کتاب: قبر پر سورۃ بقرہ اول وآخر کی تلاوت، ایک تحقیقی جائزہ

مولف: اسد اللہ خان پشاوری

کمپوزنگ: مولف

طباعت اول: ۲۰۱۱م

طباعت دوم: ۲۰۱۵م

ناشر: مکتبۃ الأسد العلمیۃ شیخ آباد پشاور

قیمت: ۲۰۰

ایمیل ایڈریس: ibnulasadkhan@yahoo.com

فون: ۰۳۳۴۹۱۴۶۲۶۸

ملنے کے پتے

۱-جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ مسجد درویش صدر پشاور

۲-جامعہ رحیمیہ، مدینہ مسجد، افغان کالونی پشاور

۳-مکتبۃ الأسد العلمیۃ، مسجد الحسن صدیقی، شیخ آباد پشاور

﴿انتساب﴾

بندہ اس کاوش کو اپنے تخصص فی الحدیث کے استاذ:

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی نعمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

(فاضل دارالعلوم دیوبند، پی ایچ ڈی جامعہ کراچی، نگران استاد تخصص فی الحدیث
ہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی) کی ذات گرامی سے منسوب کرتا ہے۔

لا تُنكِرَنْ إهداءَنا لَكَ مَنطِقًا   مِنكَ اسْتَفَدْنَا حُسْنَهُ وَنِظَامَهُ

فَاللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَشْكُرُ فِعْلَ مَنْ   يَتْلُوْ عَلَيْهِ وَحْيَهُ وَكَلَامَهُ

(ابن طَبَاطَبَا)

ے جو آپ سے سیکھا ہے، وہ آپ ہی کے نام

اسد اللہ خان

﴿سورة الفاتحة﴾

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝١﴾ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝٢﴾ ﴿الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝٣﴾ ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝٤﴾ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝٥﴾ ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝٦﴾ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝٧﴾

﴿أول سورة البقرة﴾

﴿الٓمٓ ۝١﴾ ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝٢﴾ ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝٣﴾ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝٤﴾ ﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥﴾

﴿آخر سورة البقرة﴾

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝٢٨٥﴾ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝٢٨٦﴾

قبر پر قرآن پڑھنے کے جواز پر علامہ عبد اللہ غماری کے چند اشعار:

اقـرأ عـلى المـوتى كـلامَ إلـهِنا — ودَعِ الخصومةَ في وصولِ ثـوابِه

وإذا سُئلتَ عن الدَّليل فافْصَحَنْ — بجوابِ طالـبِه وحُسـنِ خِطابِه

يَصِلُ الدُّعاء كذا الصيامُ تفضُّـلاً — من ربِّنا فكـذلـك حُكمُ كتـابِه

لافـرقَ بـيـن عـبـادةٍ وعـبـادةٍ — ومَن ادَّعى التَّفـريقَ ليـس بِنَابِه

وحديثُ لَـجْلاَجٍ يـؤيِّـد قـولَـنا — وبعيضُ عن خطأ بوجهِ صوابِه

وإذا أتـاك مُعانـدٌ بِلَجاجةٍ — فاصُمْ أُذُنَك عن سـمـاعِ سَبابِه

لاتفـتحـنْ بابَ الجـدالِ فإنَّـه — يُفضِي بصاحـبه لِسُوءِ عِقابِه[1]

---

(١) توضيح البيان لوصول ثواب القرآن، إتقان الصنعة في معنى البدعة، تأليف العلامة عبدالله الغماري، ص٩٩، طبع عالم الكتب بيروت، ١٤٢٧هـ.

فہرست مضامین

پہلی حدیث: حدیث لجلاجؓ

•••••

•••••

•••••

دوسری حدیث: حدیث عبد اللہ بن عمرؓ

•••••••

قبرستان میں مطلق تلاوت قرآن کے جواز کی احادیث

•••

•••••••

مذاہب اربعہ

•••

●●●

اکابر علماء دیوبند کی آراء و فتاوی

●●●

●●●

●●●●●●●●●

مقدمہ و تقریظ

مفتی سبحان اللہ جان صاحب دام اقبالہ [1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا میں انسان کا واسطہ دو متضاد کیفیتوں کے ساتھ رہتا ہے، مثلاً کبھی وہ صحت مند ہے تو کبھی بیمار، کبھی خوش ہے تو کبھی غمگین، کبھی مالدار ہے تو کبھی غریب، جو بھی کیفیت ہو اس میں انسان ایک آزمائش سے گذرتا ہے کہ ان مختلف حالات میں وہ کیا عمل اختیار کرتا ہے۔ صحت، خوشی اور مال پر شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری اور بیماری، پریشانی وغربت میں صبر کرتا ہے یا جزع فزع۔

پھر انسان کی زندگی کے ہر لمحے کے لئے شریعت کے احکام موجود ہیں، اگر خوشی کا موقع ہے اس کے لئے بھی طریقہ بتایا گیا ہے اور اگر غم و پریشانی کی حالت ہے تو بھی شریعت نے رہنمائی کی ہے۔

پھر انسان جس معاشرے اور ماحول میں رہتا ہے، اس معاشرے اور ماحول کے اثرات سے بمشکل بچ پاتا ہے، اس کی غمی وخوشی میں رسم ورواج اپنا حصہ ڈالتا ہے۔

پھر اگر رسم ورواج شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں، جیسے کہ عام طور پر خوشی کے موقعوں پر دیکھنے میں آتا ہے، کیونکہ خوشی کے موقع

---

(۱) فاضل جامعہ بنوریہ عالمیہ کراچی، متخصص فی الفقہ الاسلامی جامعہ یاسین القرآن کراچی، رئیس دار الافتاء جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ صدر پشاور، کالم نگار روزنامہ مشرق (جمعہ ایڈیشن، کالم آپ کے مسائل کا حل)

پر جو کام کئے جاتے ہیں، اسے دین کا حصہ نہیں سمجھا جاتا، اور اجر وثواب کی نیت نہیں ہوتی، اس لئے ان باتوں میں اگر خلاف شرع کام ہو، تو اس کو ناجائز کہیں گے۔ جیسے بے پردگی، موسیقی کی محفلیں، یہود ونصاری کے طریقے وغیرہ۔ اور اگر خلاف شرع نہ ہو تو اجازت ہوگی جیسے شب زفاف سے قبل کھانا کھلانا، لڑکی والوں کی طرف سے دعوت طعام وغیرہ۔ البتہ ان خلاف شرع کاموں کو بدعت کے زمرے میں شمار نہیں کر سکتے۔

لیکن غمی کے موقعوں پر جو کام کئے جاتے ہیں، چاہے وہ رسم ورواج کے طور پر ہو، وہ بدعت شمار ہوں گے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غم کے موقع پر اکثر افعال وہ کئے جاتے ہیں جس میں پسماندگان اجر وثواب کی امید رکھتے ہیں، اور کوشش ہوتی ہے کہ ایسا عمل کیا جائے جس سے مردہ کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے۔

لہٰذا غمی کے موقع پر جو رسم ورواج اپنائے جاتے ہیں وہ بدعت کہلائیں گے، اس لئے کہ اس میں لوگ ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقۂ عبادت کو بدعت کہتے ہیں، جو ثواب کی نیت سے رسول ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو، اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو، نہ فعلاً، نہ تقریراً، نہ صراحۃً اور نہ اشارۃً۔

چنانچہ آج کل غم کے موقع پر لوگ بے شمار بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً میت کو سرمہ لگانا، کنگھی کرنا، نماز جنازہ تیار ہونے پر پہلے اور بعد اجتماعی دعا کو لازم سمجھنا، جنازہ یا قبر پر پھولوں کی چادر ڈالنا، جنازہ لے جاتے وقت کلمہ شہادت کی آواز لگانا، قبر کو پختہ بنانا، قبر پر چراغ جلانا، مردے کے ساتھ حلوہ اور روٹیاں قبرستان لے جانا اور وہاں تقسیم کرنا، مکرر نماز جنازہ پڑھنا، مردے کو دو دو دفعہ غسل دینا، بلند آواز سے جنازہ پڑھنا وغیرہ۔

اس لئے علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کی صحیح رہنمائی کریں اور ان کو بدعات سے منع کریں۔

البتہ جو عمل رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام سے ثابت ہو وہ بدعت نہیں، لہٰذا اس کام کے کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں، جیسے دفن کے بعد میت کے سرہانے سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات "وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" تک اور پائنتی کی طرف سورۃ بقرہ کی آخری آیات "آمَنَ الرَّسُولُ" سے ختم سورۃ تک پڑھنا، دفن کے بعد دعا کرنا وغیرہ۔ کہ یہ پڑھنا مستحب ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔

لیکن آج کل بعض لوگ "جن کا مقصد فتنہ پھیلانا ہے" ایسے موقع پر خواہ مخواہ فساد شروع کر دیتے ہیں کہ یہ عمل خلاف سنت ہے، اور احادیث سے ثابت نہیں، اور قبرستان ہی میں بحث شروع ہو جاتی ہے، بے چارے عوام بھی پریشان ہو جاتے ہیں کہ کیا کریں؟

دفن کے بعد میت کے سرہانے اور پائنتی کی طرف سورۃ بقرہ کا اول و آخر پڑھنے کا طریقہ اہل سنت والجماعت میں چلا آرہا ہے، اور استحباب کی حد تک اس پر عمل بھی کرتے ہیں، لیکن اس موضوع پر تحقیقی کام نہیں ہوا تھا، کہ جن احادیث سے یہ عمل ثابت ہے، ان کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟ کہاں کہاں یہ روایت موجود ہے، محدثین نے کس حد تک اس کو قبول کیا ہے، اور امت کے فقہاء نے کس نظر سے اس کو لیا ہے۔

چنانچہ ہمارے دوست مفتی اسد اللہ متخصص جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن نے اس موضوع پر قابل قدر کام کیا، اور تحقیق کے ضمن میں بعض دیگر مفید مباحث بھی زیر بحث لائے ہیں، اور ایسے لوگوں کی دجل بھی واضح کی ہے، جو مطلب برآری کے لیے اکابرین کے کلام میں قطع برید اور اکھاڑ پچھاڑ کے ماہر ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک اس کتاب کو نافع بنائے اور مولف کے لیے ذخیرہ آخرت۔

نوٹ: یہ کتاب ایک تحقیقی اور علمی بحث پر مشتمل ہے، جو علماء کرام کے لئے زیادہ مفید ہے، میت سے متعلقہ شرعی احکام و مسائل سیکھنے اور مطالعہ کے لئے ڈاکٹر عبدالحئی عارفی خلیفہ مجاز حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "احکام میت"[1] نہایت موزوں ہے۔

بندہ سبحان اللہ جان

دار الافتاء جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ

درویش مسجد پشاور صدر

٢٧ جمادی الاولی ١٤٣٢ھ / یکم مئی ٢٠١١ء

(١) "احکام میت" پہلے کئی دفعہ چھپی تھی، اب یہ نئی تحقیق کے ساتھ دارالاشاعت جامعہ فاروقیہ کراچی سے چھپی ہے۔ اسد اللہ خان

دیباچہ طبع دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بروز جمعہ ۲۷ مئی ۲۰۱۱ء کو یہ کتاب پہلی مرتبہ چھپ کر آئی، تو بہت خوشی تھی، میری پہلی باقاعدہ کتاب چھپ گئی تھی۔ کتاب چھپنے سے پہلے بہت احباب انتظار میں تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلباء واہل علم کی بڑی تعداد نے اسے پسند کیا، اس بارے میں مجھے بہت احباب نے فون کیا، بعض نے خط لکھے، بعض نے کتاب کے حصول کے لئے خود سفر کیا۔ جس طرح اس مسئلہ نے مجھے لکھنے پر مجبور کیا تھا، کئی اہل علم کو دیکھا کہ انہوں نے بھی اس بارے میں تحقیق کا ارادہ کیا تھا، اور اس مسئلہ نے ان کو پریشان کیا تھا، کیونکہ ہر شخص کو قبرستان سے اور قبرستان میں اس مسئلہ سے ضرور واسطہ پڑتا ہے۔

کتاب میں بعض غلطیاں تھیں، لیکن بہت کم، اس طباعت میں ان کو دور کیا گیا، نیز چونکہ کتاب میں عربی عبارات زیادہ ہیں، اس لئے موجود طباعت (ان پیج) کے بجائے (ورڈ) میں کی ہے، جو قارئین کو زیادہ خوبصورت لگے گی۔ نیز اس طباعت میں مزید حوالہ جات کا بھی اضافہ کیا ہے۔ جنہیں اپنی جگہوں پر نقل کیا گیا ہے۔

مجھے علامہ قاسم بن قطلوبغا کی کتاب "کتاب من روی عن أبیہ عن جدہ" کا شدت سے انتظار تھا، جواب الحمد للہ مل گئی، متعلقہ عبارت یہاں درج کی جاتی ہے۔

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه، عن جده، قال: أسلمتُ مع رسول الله ﷺ، وأنا ابن خمسين سنة. قال: ومات اللجلاج

وهو ابن عشرين ومئة سنة، قال: ما ملأتُ بطني من طعام منذ أسلمتُ مع رسول الله ﷺ آكل حسبي وأشرب حسبي.

رواه أبوالعباس السراج في «تاريخه»، والحافظ يحيى بن عبدالوهاب ابن منده في «جزء من روى هو وأبوه وجده» مر طريقه. قال السراج: «كتب عني محمد بن إسماعيل - يعني هذا الحديث-، وأدخله في «التاريخ».

وعبدالرحمن هذا شامي انفرد به الترمذي وذكره ابن حبان في «الثقات»، وأورده في «الميزان» لتفرد مبشر بن إسماعيل الحلبي عنه، وأبوه تابعي انفرد به أيضا الترمذي، وحدث أيضا عن ابن عمر، وعنه أيضا حفص بن عمر بن ثابت الحلبي، وثقه أحمد العجلي وغيره، وجده اللجلاج هو العامري من بني عامر بن صعصعة، وهو مولى بني زهرة صحابي، نزل دمشق ومات بها، له أحاديث أخرج له أبوداود والترمذي والنسائي وأحمد. حدث عنه أيضا ابنه خالد وأبوالورد بن ثمامة القشيري وغيرهما.

فائدة: ليس في الصحابة اللجلاج غيره، واللجلاج بن حكيم ليس أخو الجحاف يعد من أهل الجزيرة، له رواية أيضا أخرج له أحمد وأخل به في الذيل فيحرر». [١]

---

(١) كتاب من روى عن أبيه عن جده ٤١٤-٤١٥، تحقيق باسم فيصل الجوابره، مكتبه المعلا كويت.

●●●●

ماہنامہ العصر جامعہ عثمانیہ پشاور کا تبصرہ:

کتاب پر ماہنامہ العصر میں مولانا یحییٰ عثمانی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"دین کا کوئی بھی مسئلہ ہو اعتدال اس کی روح ہے اور اس میں افراط و تفریط کی راہ اختیار کرنا دین کی اصل شکل کو مسخ کر دیتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ شریعت محمدی کے ہر مسئلے اور حکم کو اس کے اصل مقام پر رکھا جائے نہ تو اس میں غلو اور حدود سے تجاوز کیا جائے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی کمی اور کوتاہی کا نظریہ اختیار کیا جائے۔ قبر پر سورۃ بقرہ اول و آخر کی تلاوت، ایک مستحب عمل ہے اور اسی امت میں یہ عمل شروع سے متواتر چلا آرہا ہے، لیکن اب کچھ لوگ اس کا سرے سے انکار کر رہے ہیں، اگرچہ ان کے نظریے نے ابھی تک زور نہیں پکڑا اور نہ اب وہ اتنا مشہور ہوا ہے، لیکن ضروری تھا کہ اس نظریہ کی تردید کی جائے اور مثبت انداز میں اصل مسئلہ کا ثبوت اصول دین کی روشنی میں واضح کیا جائے۔

زیر تبصرہ کتاب اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہے، اور اس میں مذکورہ مسئلے کو احادیث، مذاہب اربعہ اور اکابر دیوبند کے فتاوی جات سے مدلل ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اعتدال دین کے ہر مسئلے کی روح ہے اور یہ بھی دین ہی کا ایک مسئلہ ہے، لہذا افراط و تفریط سے بچنا چاہیے اور کسی بھی وقت اعتدال کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔ قبر پر سورۃ بقرہ اول و آخر کی تلاوت بھی ایک مستحب عمل ہے اور

ثابت ہے اس کے ثبوت سے انکار تو درست نہیں لیکن اگر کوئی نہ کرے تو اس پر نکیر نہیں کرنی چاہیے تاکہ لزوم کے درجے میں نہ چلا جائے۔

زیر تبصرہ کتاب اگرچہ مذکورہ مسئلہ کے انکار کی تردید میں لکھی گئی ہے لیکن اس میں محض تردید کا انداز نہیں اپنایا گیا ہے اور نہ منفی انداز میں ردوقدح کی گئی ہے بلکہ مثبت انداز میں اصل مسئلے کی حقیقت پیش کی گئی ہے۔ ضمن میں اصول حدیث کے بہت سے علمی مباحث بھی اس کتاب کا حصہ بن گئے ہیں جو علماء اور حدیث کے ختمی طلبہ کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش مقبول فرمائے۔ آمین[1]

●●●●

ماہنامہ القاسم نوشہرہ کا تبصرہ:

کتاب پر ماہنامہ القاسم میں مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ پشاور صدر کے مدرس مولانا مفتی اسد اللہ خان نے اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ لیا ہے، اور اس سلسلہ کی احادیث کی اسناد کے ساتھ پوری تحقیق کی ہے، اور مذاہب اربعہ کے فقہائے کرام کی آراء و مسلک بیان کر دیا ہے۔ مسئلہ چونکہ علمی اور فقہی ہے، اس لئے اس عمل کے مخالف فقہائے کرام کا نقطہ نظر بھی بیان کیا جاتا تو اس تحقیقی جائزے کا پورا پورا حق بھی ادا ہو جاتا اور صورت موجودہ سے زیادہ مفید ہوتا۔

---

(۱) "ماہنامہ العصر" جامعہ عثمانیہ پشاور، جلد ۱۶ شمارہ ۱۰، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ ص ۵۶

یہ تحقیقی کتاب علماء کے پڑھنے کی ہے۔ مولف مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت سے مسئلہ کا جائزہ لیا ہے۔"[۱]

••••

مفتی محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم (فیصل آباد) سے خط وکتابت

کتاب کے ایک مسئلہ سے متعلق مفتی محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم (فیصل آباد) سے خط وکتابت ہوئی تھی جو فائدہ کے لئے درج کیا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب مولانا مفتی محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آنجناب خیر وعافیت سے ہوں گے، اللہ تعالی آپ کو خیر وعافیت سے رکھے، آمین۔

آج میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ آپ کو خط لکھ رہا ہوں، جو بڑے عرصہ سے چاہ رہا تھا۔ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لاہور میں تعلیم کے دوران امتحان کے موقع پر آپ کے والد ماجد محترم مولانا نذیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی تھی، اور "مشکوۃ" کے سال

---

(۱) ماہنامہ القاسم نوشہرہ خیبر پختونخوا، جلد ۱۷، شمارہ ۳، ربیع الاول، وثانی ربیع الآخر، مارچ ۲۰۱۳ء ص ۵۷۔

میں ان کی "مشکوٰۃ" کی شرح "اشرف التوضیح" سے بہت استفادہ کیا تھا، جسے آپ نے مکمل کر کے چار چاند لگا دیئے۔

تصویر کے مسئلہ پر ایک اجلاس میں جو دارالعلوم کراچی میں منعقد ہوا تھا، مجھے آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا، اس کے بعد آپ کی تقریباً تمام تحریرات بڑے شوق سے پڑھے ہیں، جو اکثر "ماہنامہ الشریعہ" میں چھپتے ہیں، "حرمت مصاہرت" پر عربی میں چھپا ہوا آپ کا مقالہ بنوری ٹاؤن کے مکتبہ سے اپنے لئے فوٹو اسٹیٹ کروایا تھا، جو بہت عمدہ مقالہ ہے۔

اور اب جو آپ نے "معارف السنن" کے تکملہ کا کام شروع کیا ہے، اس کی پہلی جلد دیکھ کر تو بہت خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو تکمیل کا موقع دے۔

بندہ نے آپ کی خدمت میں اپنی چھپی ہوئی کتاب "قبر پر سورہ بقرہ اول وآخر کی تلاوت، ایک تحقیقی جائزہ" بھیج دی ہے۔ امید ہے کہ آپ کو مل گئی ہوگی۔ بندہ نے اس کتاب میں راوی عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج کے بارے میں کتب جرح وتعدیل سے پوری تحقیق ذکر کرنے کی کوشش کی ہے، یہ صحاح ستہ میں سے صرف "ترمذی شریف" کے راوی ہے، "کتاب الجنائز" میں اس کی ایک روایت ہے جو "تکملہ معارف السنن" ص ۱۳۱ میں ہے۔ مجھے بڑی جستجو تھی کہ اس راوی کے بارے میں آپ نے کیا تحریر فرمایا ہوگا، آپ نے اس کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ذکر کی ہے، صرف اتنا لکھا ہے کہ: لم يحكم الترمذي على هذا الحديث بشيء، وفي إسناده لين من أجل جهالة عبدالرحمن بن العلاء. (تكملة معارف السنن ۱۳۱).

اس کے باوجود آپ نے " تکملہ معارف السنن " ص۱۱۱ پر عبد الرحمن بن العلاء کی سند والی روایت کے بارے میں علامہ ہیثمی کا یہ قول: " رجاله موثقون " بغیر کسی اعتراض کے نقل کر دیا ہے۔

بندہ نے اس کتاب میں اجمالی اور تفصیلی دونوں طریقوں سے " عبد الرحمن بن العلاء " کی توثیق اور معتبر ہونے اور کم از کم اس کی سند " حسن " درجے ہونے کے بارے میں پوری تحقیق ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُمید ہے کہ آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں گے، اور اس سلسلہ میں اپنی تفصیلی رائے سے نوازیں گے۔

اسد اللہ خان پشاوری

مدرس جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ

مسجد درویش ۳۸ مال روڈ صدر پشاور

۲۰۱۳/۱۲/۱۸ء

جواب خط:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی کتاب کے دو نسخے کل پرسوں ہی موصول ہوئے، بہت بہت شکریہ۔ ایک نسخہ لائبریری کے لئے بھجوا دیا ہے۔ آپ نے جس راوی کی طرف توجہ دلائی ہے اس پر آپ کی تحریر کی روشنی میں ان شاء اللہ دوبارہ دیکھ لوں گا اور ان شاء اللہ جب نظر ثانی کا موقع ملا تو اسے بھی مد نظر رکھ کر بہتری کر لی جائے گی۔

آپ کے توجہ دلانے کا بہت بہت شکریہ والسلام　　　　محمد زاہد

••••

کئی ساتھیوں نے خطوط لکھے، ایک صاحب نے کتاب پڑھی اور یہ خط لکھا ہے:

لقد وفقني الله تعالى بقراءة كتابكم من أوله إلى آخره ... فانشرح صدري وتنور عقلي وتبصر فكري بالبحث والتحقيق، فقد أجدتم واجتهدتم وأفضتم في ذلك حتى وصل البحث ذراه، ليكون نبراسا للعلم وطلابه.

فجزاكم الله خيرالجزاء على هذا الجهد وجعله في ميزان حسناتكم ورزقكم الله وإيانا الإخلاص في جميع الأعمال، لنكون من المفلحين في الدينا والآخرة، إنه سميع قريب مجيب، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

أخوك المخلص مشتاق أحمد حسين راولبندي باكستان

••••

مولا ساجد احمد صدوی صاحب کا تبصرہ و اشتہار:

مولا ساجد احمد صدوی صاحب نے کتاب کے لئے درج ذیل اشتہار بنایا:

اہل علم وذوق کے لئے خوشخبری:

"عصر حاضر کے ایک سلگتے موضوع پر فاضل نوجوان، جناب مولانا مفتی اسد اللہ صاحب پشاوری سلمہ اللہ تعالیٰ کی تازہ تالیف" قبر پر سورہ بقرہ اول وآخر کی تلاوت" ایک

تحقیقی جائزہ منظر عام پر آگئی ہے۔ خوبصورت ڈائی دار جلد میں، صاف ستھری کمپوزنگ، سینکڑوں مصادر اور مراجع کے حوالوں اور تحقیقات سے مزین۔

تدفین کے بعد قبر کے سرہانے اور پائنتی سورہ بقرہ کا اول و آخر تلاوت کرنے کے ثبوت، نیز حالتِ نزع، قبر کے پاس اور قبرستان میں تلاوت وغیرہ کے حوالے سے منقول فضائل کی روایات کی تحقیق پر مشتمل۔ حدیث، فقہ، اسماء الرجال، جرح و تعدیل اور اصول حدیث کے گرانقدر مباحث سے مزین اس کتاب میں علمی دنیا کے اسلوب و انداز میں نام نہاد غیر مقلدین، بالخصوص شیخ البانی صاحب مرحوم اور دوسرے لوگوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔

قابلِ تقلید علمی، تحقیقی اسلوب و انداز کے علاوہ اصل مسئلہ کے ضمن میں دوسری علمی باتیں بھی آگئی ہیں، جو اہل علم و تحقیق کے لئے تسکین ذوق کا سامان ہیں۔ نئے فضلاء کو معاشرتی زندگی میں اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے"۔

••••

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کوشش کو اپنے دربار میں قبولیت بخشے۔

اسد اللہ خان

یکم رمضان ۱۴۳۶ھ ۱۹ مئی ۲۰۱۵ء

شیخ آباد

پیش لفظ (طبع اول)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے محترم بھائی مفتی رحیم داد صاحب حفظه الله تعالی (فاضل و متخصص جامعہ عثمانیہ پشاور) نے ایک موقع پر بندہ سے فرمایا کہ: " دفن کے بعد قبر کے پاس جو سورت بقرہ کا اول آخر پڑھا جاتا ہے، اس کی روایت مرفوع ہے یا موقوف؟ نیز اس کا اسنادی حکم کیا ہے؟ بعض لوگ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں اس سے بہت سختی کے ساتھ روکتے ہیں، اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں"۔

برادر محترم نے فرصت نہ ہونے کی بنا پر بندہ سے کچھ لکھنے کا مطالبہ کیا کہ آئے دن عوام وخواص اس مسئلے کو سمجھنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، یہی فرمان اس مقالے کی تالیف کا سبب بنا، بندہ نے بحث کو متعلقہ مقامات میں تلاش کرنا شروع کیا، تو اس سے متعلق کافی مواد ملا، مسئلہ اگرچہ ایک ہی ہے، تاہم اس کے ضمن میں فن حدیث اور مذاہب فقہیہ کے حوالے سے چند مباحث بھی آگئے تھے، اس لیے بندہ نے مناسب سمجھا کہ ان تمام مباحث کو محفوظ کیا جائے، تاکہ اس کا نفع عام ہو۔

بندہ نے اپنی بے مائیگی کے باوجود ہمت کر کے اپنی بساط کے مطابق لکھا، اور پھر اس طالب علمانہ کاوش کو نامور اور جید علماء کی خدمت میں تصویب و تائید کے لیے پیش کیا، انہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی، شفقت فرما کر اس کی اشاعت کا حکم دیا۔

مفتی غلام الرحمن صاحب دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور) نے ملاحظہ فرمایا اور اہم مشورے دیئے۔ مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ پشاور) کی خدمت میں ایک نسخہ پیش کیا، انہوں معروفیات کے

باوجود تصحیح فرمائی، اور اہم مشورے دیئے، ایک ملاقات میں فرمانے لگے: "آپ نے اس میں تخصص فی الحدیث کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔" برادر محترم مفتی رحیم داد صاحب نے بھی پورے مسودے کی تصحیح کی اور اہم مشورے دیئے، محترم دوست مفتی احمد رضا صاحب (متخصص فی الحدیث بنوری ٹاون، و متخصص فی الفقہ دارالعلوم کراچی) نے بھی پورا مضمون مطالعہ فرمایا اور تصحیح فرمائی، اور بہت اہم فنی مشورے دیئے۔ جناب مولانا ساجد احمد صدوی صاحب (نگران تخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی) اور جناب مولانا سجاد الحجابی صاحب نے بھی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی اور رہنمائی فرمائی، اللہ تعالی ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

اس مقالے کا اکثر حصہ جامعہ امدادالعلوم جامع مسجد درویش پشاور صدر کے دارالافتاء میں بیٹھ کر لکھا گیا ہے، تاہم اس کے حوالہ جات کے لیے بندہ نے کئی شخصی اور تجارتی کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا، اس لیے ان کے مسئولین کا شکر گذار ہوں، خاص طور پر مولانا مفتی سبحان اللہ جان صاحب (رئیس دارالافتاء جامعہ امدادالعلوم جامع مسجد درویش پشاور صدر) کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جن کے زیر نگرانی ایک سال تمرین افتاء کا موقع ملا، اور اسی سال کے دوران یہ مقالہ بھی لکھا۔ اور انہوں نے ایک طویل تحریر بطور مقدمہ و تقریظ بھی اس مقالے کے لیے سپرد فرمائی۔ جزاهم الله خيرا وأحسن الجزاء.

اسد اللہ خان پشاوری

۲۶/۱۱/۱۴۳۰ھ = ۱۳/ ۱۱ / ۲۰۰۹ء بروز جمعہ

تصحیح و نظر ثانی: ۱۲ صفر ۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۷ جنوری ۲۰۱۱ء

تصحیح و نظر ثالث: ۱۳ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۷/اپریل ۲۰۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے سرہانے اور پائنتی کی جانب سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنے کا عمل جو اکابر سے منقول چلا آرہا ہے وہ مستحب اور مسنون عمل ہے، اس مسئلے سے متعلق دو احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں، ایک حدیث حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، ان دونوں احادیث کو متعدد محدثین نے اپنی کتابوں میں متعدد طرق سے ذکر کیا ہے، اور ان سے مسئلے پر استدلال بھی کیا ہے، یہ دونوں احادیث جملہ تفصیل کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

پہلی حدیث: حدیثِ حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ:

اس حدیث کو امام یحیی بن معینؒ [۱۵۸ھ / ۲۳۳ھ]، امام طبرانیؒ [۲۶۰ھ / ۳۶۰ھ] اور امام ابن عساکرؒ [۴۹۹ھ / ۵۷۱ھ] نے روایت کیا ہے۔ اور اس کے بعد متعدد محدثین وفقہاء نے ان کی روایت اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں، اب ان تمام حضرات کی روایات ترتیب وار ملاحظہ ہوں:

(۱) روایت امام یحیی بن معینؒ [۱۵۸ھ / ۲۳۳ھ]:

ان کی روایت کو متعدد محدثین نے نقل کیا ہے، ان میں ان کے مایہ ناز شاگرد امام عباس دوریؒ [۱۸۵ھ / ۲۷۱ھ]، امام خلالؒ [۲۳۴ھ / ۳۱۱ھ]، امام لالکائیؒ المتوفی [۴۱۸ھ] امام بیہقیؒ [۳۸۴ھ / ۴۵۸ھ] قابل ذکر ہیں۔ پھر ان کے بعد متعدد محدثین نے ان کی روایتوں کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، ذیل میں ترتیب وار ان کی روایات پیش کی جاتی ہیں:

(الف) طریق امام عباس دوریؒ:

امام یحییٰ بن معینؒ کی روایت ان کے ممتاز شاگرد امام عباس بن محمد بن حاتم دوریؒ [۱۸۵ھ/۲۷۱ھ] نے "تاریخ یحییٰ بن معین" میں دو جگہ نقل کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

«حدثنا يحيى، قال:حدثنا مبشربن إسماعيل الحلبي، قال: حدثنـــي عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يابني! إذا أنا مت فضعني في اللحد وقل: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسَنَّ علي التراب سنا، واقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها فإني سمعت عبدالله بن عمر يقول ذلك».[1]

(ترجمہ):

«عبدالرحمن بن علاء بن لجلاج اپنے والد علاء سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت لجلاجؓ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب میں مر جاؤں، تو مجھے لحد میں رکھ دینا، اور یہ دعا پڑھنا "بسم الله وعلى سنة رسول الله" اور میرے سرہانے سورت بقرہ کا اول و آخر پڑھنا، کیونکہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہے، وہ بھی فرماتے تھے»۔

اور دوسری جگہ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

«سألت يحيى بن معين عن القراءة عند القبر، فقال: حدثنا مبشر بن إسماعيل الحلبي، عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه

---

(۱) تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري ۲/ ۳۴٦، حديث : ۵۲۳۸

أنه قال لبنيه: إذا أدخلت القبر فضعوني في اللحد وقولوا: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسنّوا علي التراب سنًّا، واقرأوا عند رأسي أول البقرة وخاتمتها، فإني رأيتُ عبدالله بن عمر يستحب ذلك».[1]

اس روایت میں یہ ہے کہ امام عباس دوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحیٰی بن معینؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے جواز کی دلیل کے طور پر مذکورہ حدیث پیش فرمائی، البتہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس عمل کو مستحب کہتے تھے۔

(ب) طریق امام خلالؒ [۲۳۴ھ / ۳۱۱ھ]:

امام خلالؒ نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز اور ثبوت کے موضوع پر مستقل کتاب «كتاب القراءة عند القبور»[2] تالیف فرمائی ہے، اور اس میں انہوں نے متعدد روایات سے یہ ثابت کیا ہے کہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت جائز ہے۔

اس کتاب میں امام خلالؒ نے دیگر روایات کی طرح مذکورہ بالا روایت سے بھی استدلال کیا ہے، انہوں نے امام عباس دوریؒ سے بلاواسطہ روایت کی ہے، ملاحظہ ہو:

«أنا العباس بن محمد الدوري، قال: ثنا يحيى بن معين، قال: ثنا مبشر الحلبي، قال: حدثني عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه

---

(۱) تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري ۲/ ۳۷۹، حدیث: ۵۴۱۳

(۲) امام خلالؒ کی یہ کتاب شیخ عمرو عبدالمنعم سلیم کی تحقیق کے ساتھ دارالصحابہ طنطا مصر سے ۱۴۱۳ھ کو چھپی ہے، اور پھر شیخ علی حسن مراد کی تحقیق سے "الأمر بالمعروف" کے ساتھ دارالکتب العلمیہ بیروت سے سن ۱۴۲۴ھ کو چھپی ہے، ہمارے پیش نظر یہی اخیر ہے۔

قال: قال لي أبي: إذا أنا مِتُّ فضعني في اللحد وقل: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسَنَّ علي التراب سَنًّا، واقرأ عند رأسي بفاتحة الكتاب وسورة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت عبدالله بن عمر يقول ذلك».[1]

اس حدیث سے متعلق امام احمدؒ اور امام ابن قدامہؒ کا ایک واقعہ:

یہ روایت امام یحیٰ بن معینؒ کے حوالے سے پہلے گذر چکی ہے، البتہ امام خلالؒ نے اس روایت سے متعلق امام احمد بن حنبلؒ اور امام محمد بن قدامہ جوہریؒ کے درمیان واقع ہونے والا ایک قصہ بھی نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو:

«أخبرني الحسن بن أحمد الوراق، ثني علي بن موسى الحداد - وكان صَدوقا، وكان ابن حماد المقرئ يُرشِد إليه - فأخبرني قال: كنتُ مع أحمد بن حنبل في جنازة، فلما دفن الميتُ جلس رجلٌ ضرير يقرأ عند القبر، فقال له أحمد: يا هذا إن القراءة عند القبر بدعة! فلمّا خرجنا من المقابر، قال محمد بن قدامة لأحمد بن حنبل: يا أباعبدالله! ماتقول في مبشر الحلبي؟ قال: ثقة. قال: كتبت عنه شيئا؟ قال: نعم. قال: فأخبرني مبشر، عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه أنه أوصى إذا دفن أن يقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وخاتمتها وقال: سمعت ابن عمر يوصي بذلك. فقال له أحمد: فارجع فَقُلْ للرَّجل يَقرأ».[2]

---

(۱) كتاب القراءة عند القبور ص۸۷.

(۲) كتاب القراءة عند القبور ص۸۸.

(ترجمہ) : "امام خلالؒ فرماتے ہیں کہ مجھے امام حسن بن احمد وراقؒ نے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام علی بن موسی حدادؒ نے بیان کیا، اور وہ صدوق (سچے) تھے، اور امام ابن حماد مقریؒ ان کی طرف رہنمائی فرماتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام محمد بن قدامہؒ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک تھا، جب میت کو دفن کیا گیا، تو ایک نابینا شخص قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا، تو امام احمد بن حنبلؒ نے اس سے فرمایا: ارے بھائی! قبر کے پاس قرآن پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم قبرستان سے نکل گئے، تو امام محمد بن قدامہؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا، اے ابوعبداللہ! آپ مبشر حلبیؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ وہ ثقہ ہے، پھر امام محمد بن قدامہؒ نے پوچھا کہ آپ نے مبشر حلبیؒ سے کوئی حدیث لکھی ہے؟ تو امام احمدؒ نے فرمایا: ہاں[1] (اس پر امام محمد بن قدامہؒ نے مبشر حلبیؒ کی وہ حدیث پیش فرمائی جو پہلے گذر چکی ہے) اس کے بعد امام احمدؒ نے فرمایا: جاؤ اور اس شخص سے کہو کہ وہ قرآن پڑھتا رہے"۔

امام خلالؒ نے مذکورہ بالا قصہ ایک اور سند کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے، یہ اور اس واقعہ کی اسنادی حیثیت سے متعلق تفصیل "مذہب امام احمد بن حنبلؒ" کے تحت آئے گی۔

امام خلال کی کتاب "الأمر بالمعروف" کا حوالہ:

---

(۱) مفتی احمد رضا صاحب سرگودھوی نے اس کتاب کی تصحیح میں یہاں ترجمہ اس طرح کیا ہے: "پھر امام احمدؒ نے امام محمد بن قدامہؒ سے پوچھا کہ آپ نے مبشر حلبیؒ سے کوئی حدیث لکھی ہے؟ تو امام ابن قدامہؒ نے فرمایا: ہاں۔۔۔"

امام خلالؒ نے ایک اور کتاب بھی لکھی ہے، جس کا نام ہے "الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر" اس کتاب میں بھی انہوں نے مذکورہ بالا تمام روایات ذکر کی ہیں۔[1]

علامہ ابن القیمؒ کا حوالہ:

علامہ ابن القیمؒ متوفی [۷۵۱ھ] نے بھی امام خلالؒ کی کتاب "القراءة عند القبور" کے حوالے سے مذکورہ بالا روایات "کتاب الروح" میں نقل کی ہیں، اور ان پر کسی قسم کا کلام نہیں کیا۔[2]

علامہ عبداللہ غماریؒ کا حوالہ:

اور علامہ ابوالفضل عبداللہ بن صدیق غماریؒ [۱۳۲۸ھ/۱۴۱۳ھ] نے اپنی کتاب "الرد المحكم المتين في كتاب القول المبين" میں جہاں قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے بارے میں بحث کی ہے، تو وہاں علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے امام خلالؒ کی مذکورہ بالا روایات سے بھی استدلال کیا ہے، اور امام احمدؒ کا مذکورہ بالا قصہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«أنظر إلى إنصاف الإمام أحمد وسرعة رجوعه إلى الصواب، ووازنه بحال الوهابية وشدة تعصبهم لرأيهم الفاسد».[1]

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں: الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۱/ ۲۹۲، یہ کتاب شیخ حسن محمود سلیم کی تحقیق کے ساتھ دار عمان الاسلامی بیروت سے ۱۴۱۰ھ کو چھپی ہے، اور پھر شیخ علی حسن مرعی کی تحقیق سے دار الکتب العلمیہ بیروت سے سن ۱۴۲۴ھ کو چھپی ہے۔

(۲) ملاحظہ ہو: کتاب الروح ص ۱۰-۱۱ طبع حیدرآباد دکن ہند۔

(ترجمہ) "امام احمدؒ کا انصاف دیکھئے کہ کتنی جلدی درست بات قبول کرلی، اوراس کے بالمقابل آج کل کے وہابیوں (سلفیوں، غیر مقلدین) کے حال کا اندازہ لگاؤ، جو کس قدر اپنی باطل رائے پر کتنی سختی کے ساتھ جمے رہتے ہیں"۔

اور علامہ عبداللہ غماریؒ نے بھی اپنے فتاوی میں بھی یہ روایات ذکر کی ہیں، اور مذکورہ بالا قصہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«فانظر إلى إنصاف الإمام أحمد وسرعة رجوعه إلى الدليل.»[2]

علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ کا حوالہ:

استاذ الاساتذہ علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ [۱۳۳۶ھ/۱۴۱۷ھ] نے بھی علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے مذکورہ بالا قصہ نقل کیا ہے اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

«فرحم الله الإمام أحمد، ماكان بينه وبين الحق عداوةٌ، والله ولي التوفيق».[3]

(ترجمہ): "اللہ تعالیٰ امام احمدؒ پر رحم فرمائے کہ حق بات کے ساتھ ان کی کوئی دشمنی نہیں تھی (کہ اسے قبول کرنے میں تامل کرتے) اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں"۔

---

(١) الرد المحكم المتين في كتاب القول المبين ص٢٩٤.

(٢) الحاوي في فتاوي الحافظ الغماري ص٣٨.

(٣) مقدمة ثلاث رسائل في استحباب الدعاء ورفع اليدين فيه بعدالصلوات المكتوبة ص٨.

علامہ محمد عوامہ مدظلہ کا حوالہ:

اور عصر حاضر کے عظیم محقق علامہ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالی نے بھی اپنی نہایت مفید کتاب «أثر الحديث الشريف» میں مذکورہ بالا قصہ نقل کیا ہے۔[1]

---

(١) أثر الحديث الشريف في اختلاف الأئمة الفقهاء ص١٦٢-١٦٣.

موصوف حوالے کے لیے لکھتے ہیں: «الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر» صفحة ١٢١ من طبعة مصر. ونقله ابن القيم في «كتاب الروح» صفحة ٣١، ونسبه إلى الخلال في كتابه «الجامع»، فلعل النص المذكور في الكتابين؟ أو أن الأمر بالمعروف فصل من فصول «الجامع».

دراصل علامہ ابن القیمؒ نے امام خلال کی عبارت کے حوالے کے لیے ان کی کتاب کا نام «الجامع كتاب القراءة عند القبور» لکھا ہے، جس سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ امام خلالؒ کی یہ کتاب بہت بڑی ہے، حالانکہ یہ نہایت مختصر ہے، جس میں کل بارہ روایات ہیں، علامہ ابن القیمؒ کے حوالے کے بنا پر شیخ محمد عوامہ نے اپنے اس خیال کا اظہار فرمایا ہے کہ امام خلالؒ کی کتاب «الأمر بالمعروف» ان کی کتاب «الجامع» کی ایک فصل معلوم ہوتی ہے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے؛ کیونکہ «الأمر بالمعروف» «كتاب القراءة عند القبور» سے بہت بڑی ہے۔ اور «كتاب القراءة عند القبور» کی تمام روایات «الأمر بالمعروف» کے آخر میں موجود ہیں، اس طرح یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ''كتاب القراءة عند القبور» «الأمر بالمعروف» کی ایک فصل ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں «الجامع» سے مراد امام خلالؒ کی ایک تیسری کتاب «الجامع لعلوم أحمد بن حنبل» ہو، اس کتاب کے بارے میں حاجی خلیفہؒ لکھتے ہیں: "کہ مذہب حنبلی میں اس طرح کی کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی ہے"۔ (كشف الظنون ١/ ٤٠٤، طبع دار الفكر بيروت ١٤١٩) واللہ اعلم۔

نوٹ:

امام خلالؒ اور ان کی تصانیف، نیز اس واقعہ کی اسنادی حیثیت کے حوالے سے مزید تفصیل "مذہب حنبلی" کے عنوان کے تحت آئے گی۔

(ج) طریق امام لالکائی الحربی [۴۱۸ھ]:

امام ہبۃ اللہ بن حسن بن منصور لالکائیؒ نے بھی حضرت لجلاجؓ کی اس روایت کو اپنی کتاب «شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة» میں اپنی سند سے روایت کیا ہے، ان کی سند دو واسطوں سے امام عباس دوریؒ سے مل جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

«أنا علي بن عمر بن إبراهيم، أنا إسماعيل بن محمد، قال: نا عباس بن محمد، قال: نا يحيى بن معين، نا مبشر بن إسماعيل الحلبي، عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه أنه قال لولده إذا أنا مِتُّ فأدخلتموني في اللحد، فهيلوا عليَّ التراب هيلاً، وقولوا: بسم الله وعلى ملة رسول الله وسنوا علي سنًّا، واقرأوا عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعتُ عبدالله يستحب ذلك. وعبدالله هو ابن عمر بن الخطاب.»[1]

---

(۱) شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة من الكتاب والسنة وإجماع الصحابة والتابعين ومن بعدهم ٤/ ١٢٢٧ (١٢٧٤).
امام لالکائی کی یہ کتاب پہلے ڈاکٹر احمد سعد حمدان کی تحقیق کے ساتھ دار طیبہ ریاض سے ۱۴۰۹ھ کو چھپی ہے، پھر ابو یعقوب نشأت بن کمال مصری کی تحقیق اور مصطفیٰ عدوی کے مقدمہ کے ساتھ مکتبہ اسلامیہ مصر سے ۱۴۲۳ھ کو چھپی ہے۔ ہمارے پیش نظر مقدم الذکر۔

(۵) طریق امام بیہقی [۳۸۴ھ/۴۵۸ھ]:

امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقیؒ نے بھی حضرت لجلاجؓ کی اس روایت کو اپنی کتاب «السنن الکبری» میں اپنی سند سے روایت کیا ہے، ان کی سند دو واسطوں سے امام عباس دوریؒ سے مل جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

«أخبرنا أبوعبدالله الحافظ، ثناأبوالعباس أحمد بن يعقوب، ثنا: العباس بن محمد، سألت يحيى بن معين عن القراءة عندالقبر، فقال: حدثنا مبشر بن إسماعيل الحلبي، عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه أنه قال لبنيه: إذا أدخلتموني قبري فضعوني في اللحد وقولوا: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسنوا علي التراب سنا، واقرأوا عند رأسي أول البقرة وخاتمتها، فإني رأيت ابن عمر يستحب ذلك».[1]

امام بیہقیؒ کی اس روایت کو متعدد محدثین نے ذکر کیا ہے، ذیل میں ترتیب وار حوالے نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) علامہ نوویؒ کا حوالہ:

۔ لغو ہے۔ جیسا کہ عام طور پر موجودہ روش ہے، محقق احمد سعد حمدان نے بھی علامہ البانی کی تحقیق پر اعتماد کر کے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ آگے بحث کی جائے گی۔ نیز اس نسخے میں قال لولدہ کی جگہ قال لوالدہ ہے، جو غلط ہے۔

(۱) السنن الكبرى ٥/ ٤٠٤، كتاب الجنائز، باب ماورد في قراءة القرآن عند القبر.

علامہ نوویؒ [۶۳۱ھ / ۶۷۷ھ] نے اپنی کتاب "الاذکار" میں امام بیہقیؒ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی سند حسن درجے کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

«وروينا في سنن البيهقي بإسناد حسن أن ابن عمراستحب أن يقرا على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها». [1]

(۲) علامہ ابن علانؒ کا حوالہ:

علامہ ابن علانؒ متوفی [۱۰۵۷ھ] نے "کتاب الاذکار" کی شرح میں مذکورہ بالا عبارت کی جو شرح کی ہے وہ بہت اہم ہے، کیونکہ اس میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی "کتاب الاذکار" کی تخریج کا حوالہ ہے، اور تخریج کا جو نسخہ مطبوعہ ہے اس میں یہ عبارت نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بیہقیؒ کی اس سند کو حسن درجے کا قرار دیا ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آجائے گی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

«[قوله: وروينا في سنن البيهقي] قال الحافظ بعد تخريجه بسنده إلى البيهقي قال: حدثنا أبوعبدالله الحافظ، ثنا أبوالعباس... قال الحافظ بعد تخريجه: هذا موقوف حسن، أخرجه أبوبكرالخلال، وأخرجه من رواية علي بن موسى الحداد وكان صدوقا قال: صلينا... الخ [قوله: أنا بن عمر استحب] ظاهر إيراده أنه موقوف على ابن

---

(۱) كتاب الأذكار ص ۱۳۷، باب مايقوله بعد الدفن.

عمر، وقضية إيراد «الحصن» أنه نبه عليه في «الحرز»، والصواب أنه موقوف على ابن عمر رواه عنه البيهقي وغيره». [1]

(۳) علامہ ابن الجزریؒ کا حوالہ:

۳- علامہ ابن الجزریؒ [۷۵۱ھ / ۸۳۳ھ] نے بھی امام بیہقی کی اس روایت کو اپنی مشہور کتاب «الحصن الحصین» میں نقل کیا ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے، ان کی عبارت ہے: «ويقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. [سني]». [2]

(۴) ملا علی قاریؒ کا حوالہ:

علامہ ملا علی قاریؒ متوفی [۱۰۱۴ھ] «الحصن الحصین» کی شرح میں لکھتے ہیں:

«[ويقرأ] بصيغة الفاعل وفي نسخة على بناء المجهول [على القبر] أي على طرفه [بعد الدفن أول سورة البقرة] أي إلى المفلحون وخاتمتها [سني] أي رواه البيهقي في السنن الكبير، وليس في الهوامش منسوبا إلى أحد من الصحابة، والمتبادر أنه من رواية عثمان أيضا، لكن قال النووي في «الأذكار»: «وروينا في «سنن البيهقي» أن ابن عمر استحب أن يقرأ بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها». وقال ميرك:

---

(۱) الفتوحات الربانية شرح الأذكار ٤/ ١٩٤. بعد میں نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار ٣/ ٤٢٦ کی نئی طباعت میں یہ حوالہ مل گیا۔

(۲) الحصن الحصين بشرح الحرز الثمين ص ١٥١.

«وظاهر إيراده يقتضي الوقف خلاف مايقتضيه إيراد الشيخ قدس سره فتأمل».[١]

ملا علی قاریؒ نے یہاں جو اس روایت کے بارے میں یہ بحث کی ہے کہ یہ کس صحابی کی روایت ہے؟ نیز یہ مرفوع ہے یا موقوف؟ اس مقالے میں تفصیل کے ساتھ ان سب کے جوابات ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ کی روایت نہیں، بلکہ حضرت لجلاجؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔ اور بیہقیؒ کی یہ روایت اگرچہ موقوف ہے، تاہم ان کی مرفوع حدیث بھی ہے، جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔[٢]

(۵) علامہ شوکانیؒ کا حوالہ:

علامہ شوکانیؒ «عدۃ الحصن الحصین» کی شرح میں لکھتے ہیں:

الحديث أخرجه البيهقي في السنن كما قال المصنف رحمه الله، وهو عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: «أستحب أن يقرأ على القبر بعد

---

(١) الحرز الثمين بشرح الحصن الحصين ص ٤١٧.

(٢) «الحرز الثمین» کا مذکورہ بالا حوالہ بندہ نے علامہ محدث محمد امین اورکزئی شہیدؒ کے کتب میں حضرت شہیدؒ کے سامنے نکالا تھا، حضرت کے سامنے بھی بندہ نے یہ اشکال عرض کیا، اور اپنی یہ رائے بھی ذکر کی، حضرت نے کتاب لی، اور عمیق نظر سے مطالعہ کرنے لگے اور فرمایا کہ سابقہ روایت کے راوی چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، اس لیے ملا علی قاریؒ نے یہ فرمایا کہ بظاہر اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہو۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها». وحسن النووي إسناده، وهو وإن كان من قوله فمثل ذلك لايقال من قبل الرأي، ويمكن أنه لـمّا علم بما ورد في ذلك فضلٌ على العموم لستحب أن يقرأ على القبر؛ لكونه فاضلاً رجاء أن ينتفع الميت بتلاوته».[1]

(ترجمہ): "یہ حدیث امام بیہقیؒ نے اپنی "سنن" میں روایت کی ہے، جیساکہ مؤلف مصنف (علامہ جزریؒ) نے فرمایا ہے۔ اور یہ روایت حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: "میں مستحب سمجھتاہوں کہ دفن کے بعد قبر کے پاس سورت بقرہ کے شروع اور آخر کے حصے پڑھے جائے"۔ اور امام نوویؒ نے اس سند کو حسن کہا ہے، اور یہ اگرچہ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے، لیکن اس طرح کی بات اپنی رائے وقیاس سے نہیں کہی جاسکتی، (لہذا بظاہر حضور ﷺ سے سنی ہوگی، جس کو اصطلاح میں موقوف بمنزلہ مرفوع کہاجاتاہے)، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو اس سورت بقرہ کے وہ عمومی فضائل معلوم ہوئے ہوں، جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں، تو ان عمومی فضائل کی بناپر انہوں نے مستحب اور افضل سمجھا کہ یہ قبر پر پڑھی جائے؛ کیونکہ یہ فضیلت والی ہے، امید ہے کہ میت کو اس سے فائدہ ہوجائے"۔[2]

---

(١) تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين ص ٢٩٤-٢٩٥.

(٢) محترم دوست مفتی احمد رضا صاحب نے اس عبارت "لکونه فاضلا" کا یہ ترجمہ کیا ہے "چونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ صاحب علم وفضل تھے"۔ اور محترم بھائی مفتی رحیم داد صاحب نے فرمایا ہے کہ "لکونه" میں ضمیر کا مرجع اول سورۂ بقرہ ہے، امید ہے میت کو اس سے فائدہ ہوجائے"۔

یہاں علامہ شوکانیؒ نے علامہ نوویؒ کی تحسین پر اعتماد کیا ہے، البتہ علامہ شوکانیؒ نے جو یہ بحث کی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع؟ اس سے متعلق بحث آگے آجائے گی، لیکن ان کا یہ کہنا: " اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن عمرؓ کو اس سورت بقرہ کے عمومی فضائل معلوم ہوئے، جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں، تو ان عمومی فضائل کی بنا پر انہوں نے مستحب اور افضل سمجھا کہ یہ قبر پر پڑھی جائے؛ کیونکہ یہ فضیلت والی ہے، امید ہے میت کو اس سے فائدہ ہو جائے"۔ بظاہر یہ درست معلوم نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ شوکانیؒ کی نظر سے حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث نہیں گذری، جس میں انہوں نے خود حضور ﷺ سے اس خاص عمل کو نقل کیا ہے، اور یہ روایت تفصیل کے ساتھ آگے ذکر کی جائے گی۔

(۶) علامہ نواب صدیق حسن خان کا حوالہ:

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خانؒ [۱۲۴۸ھ/۱۳۰۷ھ] نے دعاؤں اور اذکار سے متعلق جو کتاب لکھی ہے "نزل الأبرار" اس میں انہوں نے امام بیہقیؒ کی یہ روایت نقل کر کے علامہ شوکانیؒ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے۔[1]

(۷) علامہ عبداللہ غماری کا حوالہ:

علامہ عبداللہ غماریؒ نے بھی امام بیہقیؒ کی یہ روایت نقل کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ کی تحسین پر اعتماد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: «قال الحافظ في «أمالي الأذكار»: «هذا موقوف حسن».[1]

---

(۱) ملاحظہ ہو: نزل الأبرار بالعلم المأثور من الأدعية والأذكار ص ۲۹۰.

(٨)علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کا حوالہ:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی امام بیہقیؒ کی یہ روایت نقل کی ہے،اور علامہ نوویؒ کی تحسین پر اعتماد کیا ہے،وہ فرماتے ہیں:

«وفي «الأذكار» للنووي (٧٤): «وروينا في «سنن البيهقي» بإسناد حسن أن ابن عمر استحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها». وهو موقوف في حكم المرفوع، فإنه غير مدرك بالرأي. قال المؤلف: دلالته على الجزء الثالث من الباب ظاهرة».[٢]

(٢)روایت امام طبرانیؒ[٢٦٠ھ/٣٦٠ھ]

امام سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانیؒ نے بھی حضرت لجلاجؓ کی روایت متعدد طرق سے روایت کی ہے،ان کی روایت بھی مبشر حلبیؒ پر جاکر ماقبل اسانید کے ساتھ مل جاتی ہے،ملاحظہ ہو:

«حدثنا أبوأسامة عبدالله بن محمد بن أبي أسامة الحلبي، حدثنا أبي. ح وحدثنا إبراهيم بن دحيم الدمشقي، حدثنا أبي. ح وحدثنا الحسين بن إسحاق التستري، حدثنا علي ابن بحر. قالوا: حدثنا مبشر بن إسماعيل، حدثني عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج،

---

(١) الرد المحكم المتين ص٢٦٣.

(٢) إعلاء السنن ٨/ ٣٤٢، باب استحباب زيارة القبور عموما وزيارة قبر النبي ﷺ خصوصا، وما يقرأ فيها.

عن أبيه قال: «قال لي أبي: يابني! إذا أنا مِتُّ فالحدني فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وعلى ملة رسول الله، ثم سنَّ علي التراب سنًّا، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعتُ رسول الله ﷺ يقول ذلك».[1]

علامہ طبرانیؒ کے حوالے سے اس روایت کو متعدد محدثین نے نقل کیا ہے، چند حسب ذیل ہیں:

علامہ ہیثمیؒ کا حوالہ:

۱-علامہ نورالدین ہیثمیؒ متوفی[۸۰۷ھ] "مجمع الزوائد" میں اس روایت کو نقل کر کے اس کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

«رواه الطبراني في الكبير ورجاله موثقون».[2]

علامہ زیلعیؒ کا حوالہ:

۲-علامہ زیلعیؒ متوفی[۷۶۱ھ] نے بھی یہ روایت "نصب الرأية" میں نقل کی ہے، اور اس پر سکوت فرمایا ہے۔[3]

علامہ ابن حجرؒ کا حوالہ:

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني ٨/ ٢١٩، طبع دار الكتب العلمية بيروت.

(۲) مجمع الزوائد ٣/ ١٢٤، حديث (٤٢٤٣).

(۳) ملاحظہ ہو: نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية ٢/ ٣٠٢.

۳-اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانیؒ متوفی[۸۵۲ھ]نے بھی یہ روایت اپنی دوکتابوں "الدرایہ" اور "التلخیص الحبیر" میں نقل کی ہے اور کوئی کلام نہیں کیا ہے۔[1]

علامہ صالحی شامیؒ کا حوالہ:

۴- علامہ محمد بن یوسف صالحی شامیؒ متوفی[۹۴۲ھ] نے اس روایت کو اپنی کتاب "سبل الهدى والرشاد" میں نقل کرکے لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں: «روى الطبراني برجال ثقات».[2]

علامہ شوکانیؒ کا حوالہ:

۵- علامہ شوکانیؒ متوفی [۱۲۵۰ھ] نے بھی یہ روایت "نيل الأوطار" میں نقل کرکے کوئی کلام نہیں کیا ہے۔[3]

علامہ نیمویؒ کا حوالہ:

٦- علامہ محمد بن علی نیمویؒ متوفی [۱۳۲۲ھ] نے بھی "آثار السنن" میں اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

---

(۱) ملاحظہ ہو: الدراية في تلخيص نصب الراية ١/ ٢٤١، التلخيص الحبير ٢/ ٣٨٢.

(۲) سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد ٨/ ٥٠٧.

(۳) نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار ٤/ ٨٠-٨١.

«رواه الطبراني في «المعجم الكبير» وإسناده صحيح».[1]

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کا حوالہ:

۷-علامہ ظفر احمد عثمانیؒ [۱۳۱۰ھ/۱۳۹۴ھ] نے بھی "إعلاء السنن" میں اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور علامہ نیمویؒ کی تصحیح پر اعتماد کیا ہے۔[2]

علامہ عبداللہ غماریؒ کا حوالہ:

۸- علامہ عبداللہ غماریؒ [۱۳۲۸ھ/۱۴۱۳ھ] نے بھی اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور علامہ ہیثمیؒ کی توثیق ذکر کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی سند "حسن" درجے کی ہے، ملاحظہ ہو:

«بل ثبت أعلى من هذا وهو أن اللجلاج أوصى ابنه العلاء إذا مات ودفنه أن يقرأ على قبره بخاتمة البقرة. وقال: إني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك. وهذا حديث حسن، قال عنه الهيثمي: رجاله موثوقون».[3]

علامہ عبیداللہ مبارکپوریؒ کا حوالہ:

---

(۱) آثار السنن ص۲۷۲.

(۲) إعلاء السنن ۸/ ۳٤۲.

(۳) الحاوي في فتاوي الحافظ عبدالله الغماري ص۳۱. نیز ان کی دوسری کتاب «الرد المحكم المتين» ص۲٤۳ ملاحظہ ہو۔

۹- علامہ عبید اللہ مبارکپوریؒ نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے، اور علامہ زیلعیؒ کے سکوت اور علامہ ہیثمیؒ کی توثیق کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

«ونقل الزيلعي حديث عبدالرحمن ابن اللجلاج عن أبيه... وهذا كما ترى مرفوع، وقدسكت عنه الزيلعي. وقال الهيثمي: رجاله موثوقون». [1]

علامہ وہبی سلیمان غاوجی کا حوالہ:

۱۰- علامہ وہبی سلیمان غاوجی مدظلہ نے بھی اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: «رواه الطبراني وإسناده صحيح». [2]

☆☆☆

---

(۱) المرعاة شرح المشكاة ٥/ ٤٥٤.

(۲) أركان الإسلام ١/ ٣١٢، طبع دار البشائر ت.

(٦) روایتِ امام ابن عساکرؒ [۴۹۹ھ/۵۷۱ھ]:

امام ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر شافعیؒ نے بھی حضرت لجلاج کی حدیث متعدد سندوں کے ساتھ نقل کی ہے، ملاحظہ ہو:

«أخبرنا جدي لأمي أبي المفضل يحيى بن علي القاضي، أنبأنا عبدالرزاق بن عبدالله بن الحسن بن الفضيل. ح وحدثنا أبومحمد بن صابر لفظاً، أنبأنا علي بن الحسن بن عبدالسلام بن أبي الحرزور وعبدالله بن عبدالرزاق بن عبدالله، قالوا: أنبأنا أحمد بن محمد بن أحمد العتيقي، حدثنا علي بن محمد بن أحمد بن لؤلؤ، حدثنا عبدالله بن محمد بن ناجيه، حدثنا أبوهمام، حدثنا مبشر بن إسماعيل، عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يابني! إذا أنا مِتُّ فألحدني فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسن علي التراب سنا، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت ابن عمر يقول ذلك».[1]

علامہ محمد یوسف کاندھلوی کا حوالہ:

علامہ ابن عساکرؒ کی اس روایت کو مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ متوفی [۱۳۸۴ھ/۱۹۶۲ء] نے بھی اپنی کتاب "حیاۃ الصحابہ" میں "کنز العمال" کے حوالے سے نقل کیا ہے، جس پر انہوں نے باب باندھا ہے: «وصية العلاء بن اللجلاج لبنيه

---

(۱) تاریخ دمشق ۵۳/۲۲۷۔ نیز دیکھیے: ۵/۱۵۸۔

بماذا يفعلون إذا أدخلوه قبره». (حضرت علاء بن لجلاج کی اپنے بیٹوں کو وصیت کہ قبر میں داخل کرنے کے بعد کیا کریں گے)

«أخرج ابن عساكر عن العلاء بن اللجلاج أنه قال لبنيه: إذا ادخلتموني قبری فضعوني في اللحد، وقولوا بسم الله وعلى ملة رسول الله ﷺ وسنوا على التراب سنًّا واقرأوا عند رأسی أول البقرة وخاتمتها؛ فانی رأيتُ ابن عمر رضي الله عنه ما يستحب ذلك. كذافى الكنز»[1].

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ «حیاة الصحابه» میں چونکہ اس روایت کو «کنز العمال» کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، اور «کنز العمال» میں اس روایت کو ابن عساکر کے حوالے سے اس طریقہ پر نقل کیا گیا ہے کہ اس کو حضرت علاء کی وصیت قرار دی گئی ہے، لیکن ابن عساکر کی روایت براہ راست ملاحظہ کی جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت علاء کی وصیت نہیں بلکہ حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے۔

☆☆☆

---

(۱) ملاحظہ ہو: «حياة الصحابة» ۳/ ۴۱۰، تحقيق العلامة محمد إلياس الباره بنكوي، و۴/ ۳۸۹ تحقيق الدكتور بشار عواد، و۳/ ۳۱۸ ترجمه أردو للعلامة محمد إحسان الحق حفظه الله تعالى.

حدیث حضرت لجلاج کے بارے میں چند اہم نکات

(۱)حدیث لجلاج مرفوع ہے یا موقوف؟

یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ حضرت لجلاج سے منقول یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ کیونکہ امام یحیی بن معینؒ، امام خلالؒ، امام لالکائیؒ، امام بیہقیؒ اور ام ابن عساکرؒ کی روایات کے مطابق یہ موقوف ہے، اس میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے قول یا عمل کو بیان کیا گیا ہے، جبکہ امام طبرانیؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے؛ کیونکہ حضرت لجلاج یہ فرمارہے ہیں کہ میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

علامہ عبد اللہ غماریؒ کی توجیہ:

علامہ عبد اللہ غماریؒ نے اس حوالے سے بہت عمدہ بات کہی ہے، اوراس طرح دونوں قسم کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں روایات الگ الگ ہیں، موقوف روایت میں علاء بن لجلاجؒ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے عمل کا ذکر کر رہے ہیں اور علاء بن لجلاجؒ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے شاگرد ہیں، جبکہ مرفوع روایت میں حضرت لجلاج ؓ براہ راست حضور ﷺ سے روایت کر رہے ہیں۔

اُن کی عبارت ملاحظہ ہو:

«قلت:العلاءبن اللجلاج تابعي وأبوه اللجلاج صحابي، وليس بين هذه الرواية ورواية اللجلاج تناقض كما قديتوهم؛ لأن اللجلاج

روى ما سمعه من النبي ﷺ، كما رواه ابن عمر، والعلاء روى ما سمع ابن عمر يوصي به، وإنما نبهتُ على هذا مع وضوحه لئلا يدّعي جاهلٌ متنطع ضعف الحديث واضطرابه»۔ "(۱)

(ترجمہ): "میں کہتا ہوں کہ علاء بن لجلاج تابعی ہیں، اور ان کے والد حضرت لجلاجؓ صحابی ہیں، اور اس روایت اور حضرت لجلاجؓ کی روایت میں کوئی تناقض نہیں ہے، جیسا کہ یہاں وہم ہو سکتا ہے؛ کیونکہ حضرت لجلاجؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی طرح براہ راست حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ علاء بن لجلاجؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی وصیت روایت کر رہے ہیں، یہ بات اگرچہ بہت واضح ہے، اس کے باوجود میں نے اس پر تنبیہ اس لیے کی ہے، تاکہ کوئی جاہل متعصب یہ دعویٰ نہ کر بیٹھے کہ یہ حدیث ضعیف اور مضطرب ہے (یعنی اس اضطراب کی وجہ سے ضعیف ہے)۔"

علامہ عبد اللہ غماریؒ کی تحقیق کے پیش نظر موقوف روایت کی صورت میں آخری جملہ «رأيتُ ابن عمر يوصي/ يستحب/ يقول ذلك» حضرت لجلاجؓ کے بیٹے علاء بن لجلاجؓ تابعی کا مقولہ ہے، اور اس تحقیق کے مطابق روایات کی کل تعداد تین ہو گئیں، ایک روایتِ ابن عمر مرفوع، دوسری روایتِ ابن عمر موقوف، تیسری روایتِ لجلاجؓ مرفوع۔

---

(۱) الرد لمحكم المتين ص۲٦۳-۲٦٤.

اب یہ الگ بحث ہے کہ جو روایت موقوف ہے وہ بھی بمنزلہ مرفوع ہے، جیسا کہ علامہ شوکانیؒ اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے حوالے سے گذر چکا ہے، لیکن جب فی الواقع وہ صحابی بھی مرفوعاً روایت کر رہے ہیں، تو اس احتمالی بحث کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

دوسری تطبیق:

مرفوع اور موقوف روایات کے درمیان تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں روایات حضرت لجلاجؓ کی قرار دی جائیں اور یہ کہا جائے کہ حضرت لجلاجؓ کبھی مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور کبھی موقوفاً، واللہ اعلم۔

••••

(۲) حدیثِ لجلاج کا اسنادی حکم

حدیثِ لجلاج کا اسنادی حکم کیا ہے؟ پچھلے صفحات میں متفرق مقامات پر جلیل القدر محدثین کے اقوال اس بارے میں گذر چکے ہیں، البتہ یہاں کس قدر تفصیل کے ساتھ اس روایت کا اسنادی حکم واضح کیا جاتا ہے، اس کے راویوں کے حالات کتبِ جرح وتعدیل سے نقل کئے جاتے ہیں، تاکہ پوری وضاحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ اصولِ حدیث کی زد سے اس کا کیا حکم بنتا ہے۔

امام یحیی بن معین کی روایت کے مطابق اس روایت میں چار راوی ہیں:

(۱) مبشر بن اسماعیل حلبیؒ

(۲) عبد الرحمن بن العلاء بن لجلاجؒ

(۳) علاء بن لجلاجؒ

(۴) حضرت لجلاجؓ

اب ترتیب وار ان کے حالات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مبشر بن اسماعیل حلبیؒ

یہ تبع تابعین میں سے ہیں، ۲۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام یحیی بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن سعدؒ، امام ابن حبانؒ کے نزدیک یہ ثقہ ہیں،

جبکہ امام ابن قانعؒ نے ان کو ضعیف کہا ہے، لیکن علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ جرح بغیر دلیل کے ہے۔[1]

(۲) عبدالرحمن بن العلاء بن لجلاجؒ

یہ اس روایت کے مرکزی راوی ہیں، اس لئے تفصیل کے ساتھ اس کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔

۱- امام یحیی بن معینؒ متوفی (۲۳۳ھ)، ۲- امام احمد بن حنبل متوفی (۲۴۱ھ)، ۳- امام بخاریؒ متوفی (۲۵۶ھ)، ۴- امام ابوزرعہ رازیؒ متوفی (۲۶۴ھ)، ۵- امام ابوحاتم رازی متوفی (۲۷۷ھ)، ٦- امام ترمذیؒ متوفی (۲۷۹ھ) نے عبدالرحمن بن العلاء بن لجلاجؒ کے بارے میں کوئی جرح نہیں کی ہیں، بلکہ سکوت اختیار کیا ہے، اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

عبدالرحمن بن العلاء اور امام یحیی بن معینؒ:

۱- امام یحیی بن معینؒ کے متعلق "تاریخ یحیی بن معین" کے حوالے سے گذر چکا ہے، کہ ان کے شاگرد امام دوریؒ نے ان سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے سے متعلق پوچھا، تو انہوں نے جواز کے بارے میں حضرت لجلاجؓ کی یہ حدیث بیان کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمن بن العلاء ان کے نزدیک قابل حجت ہیں، اگرچہ یہاں توثیق کی تصریح تو نہیں ہے، البتہ سکوت سے ضمناً توثیق معلوم ہو رہی ہے، ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

«وسألتُ يحيى بن معين فحدثني بهذا الحديث».[1]

---

(۱) [illegible] «تهذيب التهذيب» ۱۰/ ۲۹، «ميزان الاعتدال» ۲/ ۴۳۳.

عبدالرحمن بن العلاء اور امام احمد بن حنبل:

۲- امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ بھی پہلے گذر گیا ہے کہ ان کے سامنے عبدالرحمن بن العلاء کی روایت امام محمد بن قدامہ جوہریؒ نے حدیث سنائی، تو آپ نے اس پر کوئی جرح نہیں کی، بلکہ اس کی روایت کو قابل حجت جانا، اور اس کے موافق عمل کرنے کا حکم دیا (اس واقعہ کی اسنادی حیثیت الگ سے آگے آجائے گی)۔

عبدالرحمن بن العلاء اور امام بخاریؒ:

۳- امام بخاریؒ نے بھی عبدالرحمن بن العلاء کا تذکرہ اپنی کتاب «تاریخ کبیر» میں کیا ہے، اور کسی قسم کی جرح نہیں کی ہے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج روى عن أبيه، روى عنه مبشر». (۲)

عبدالرحمن بن العلاء اور امام ابوزرعہ رازیؒ:

۴- اسی طرح امام ابوزرعہ رازیؒ نے بھی عبدالرحمن بن العلاء کا تذکرہ کیا ہے اور کسی قسم کی جرح نہیں کی ہے، چنانچہ ان کے مایہ ناز شاگرد امام ترمذیؒ نے ان سے ان کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے جواب میں صرف اتنا فرمانا کافی سمجھا "کہ یہ حضرت لجلاجؓ کے پوتے ہیں"، اور ان کے بارے میں کوئی جرح نہیں کی۔ ملاحظہ ہو:

---

(۱) تاریخ یحیی بن معین ۲/ ۳۷۹.

(۲) التاریخ الکبیر ۵/ ۳۳٦ (۱۰٦۸).

«سألت أبا زرعة عن هذا الحديث قلتُ: مَن عبدالرحمن بن العلاء؟ قال: هو ابن العلاء بن اللجلاج، وإنما أعرفه مِن هذا الوجه».[1]

عبدالرحمن بن العلاء اور امام ابوحاتم رازیؒ:

٥- اور امام ابوحاتم رازیؒ نے بھی عبدالرحمن بن العلاء کا تذکرہ کیا ہے اور کسی قسم کی جرح نہیں کی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج كان يسكن حلب، روى عن أبيه، روى عنه مبشر بن إسماعيل الحلبي، سمعتُ أبي يقول ذلك».[2]

عبدالرحمن بن العلاء اور امام ترمذیؒ:

٦-امام ترمذیؒ کی رائے امام ابوزرعہ رازیؒ کی رائے کے ضمن میں گذر چکی ہے، صحاح ستہ میں سے صرف ترمذی شریف میں عبدالرحمن بن العلاء کی ایک روایت ہے، وہ روایت یہ ہے:

«حدثنا الحسن بن الصباح البزار، أخبرنا مبشر بن إسماعيل الحلبي، عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه، عن ابن عمر

---

(١) سنن الترمذي ٣/ ٣٠٠ (٩٨٠) كتاب الجنائز، باب شدة الموت.

(٢) الجرح والتعديل ٥/ ٢٧٢.

عن عائشة قالت: ما أغبط أحدًا بهون موت بعد الذي رأيتُ من شدة موت رسول ﷺ».

سألتُ أبازرعة عن هذا الحديث قلتُ: مَن عبدالرحمن بن العلاء؟ قال: هوابن العلاء بن اللجلاج، وإنما أعرفه مِن هذا الوجه». [1]

امام ترمذیؒ نے یہی حدیث اسی سند کے ساتھ اپنی کتاب «الشمائل» میں بھی ذکر کی ہے، اور علامہ ابوزرعہ رازیؒ کا یہ کلام ذکر کیا ہے۔ [2]

علامہ عبدالرحمن مبارکپوری کا حوالہ:

---

(١) سنن الترمذي ٣/ ٣٠٠ (٩٨٠)، كتاب الجنائز، باب شدة الموت.

(٢) ملاحظہ ہو: «الشمائل المحمدية» ص ٣٣٠-٣٣١.

ملا علی قاری "شمائل ترمذی" کی شرح میں لکھتے ہیں:

«(قال أبوعيسى سألتُ أبا زرعة) وهو من أكابر مشايخ الترمذی والعمدة في معرفة الرجال عند المحدثين. (فقلتُ له من عبدالرحمن بن العلاء؟) من استفهاميةٌ، وقوله (هذا) أى المذكورفى السندالمسطور، وإنما استفهم عنه فإن عبدالرحمن بن العلاء متعددٌ بين الرواة. (قال هو عبدالرحمن بن العلاءبن اللجلاج) بجيمين وجرّ الابن الثاني ويقال: إنه أخو خالد ثقة من الرابعة». (جمع الوسائل ٢/ ٢٠٧).

یہاں امام ترمذیؒ نے امام ابوزرعہ رازیؒ کی تحقیق ذکر کرکے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ البتہ ترمذی شریف کے شارح علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے اس مقام پر عبدالرحمن بن العلاء کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ کا قول "مقبول" نقل کیا ہے اوراس کے بعد یہ لکھا ہے کہ "امام ترمذیؒ نے اس روایت کے بارے میں صحت یا ضعف کا کوئی حکم نہیں لگایا، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے"، ان کے الفاظ یہ ہیں:

«(قوله: وإنما أعرفه مِن هذا الوجه) لم يحل عليه بشيء من الصحة والضعف، والظاهر أنه حسن».[1]

علامہ منذریؒ کا حوالہ:

یہاں اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اس سے بھی ایک قیمتی حوالہ مل گیا، علامہ منذریؒ متوفی ٦٥٦ھ نے اپنی مشہور کتاب «الترغیب والترهیب» میں عبدالرحمن بن علاء کی اس مذکور بالا سند سے ایک روایت نقل کی ہے، اورانہوں نے اس سند کو «لا بأس به» سے تعبیر کیا ہے، یعنی یہ سند ٹھیک ہے، اس کی سند پر کوئی اعتراض نہیں ہے، یہ ایک قدیم امام فن کی بات مجھے بہت غیر مظان سے مل گئی، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«وعن اللجلاج قال: ما ملأت بطني طعاما منذ أسلمت مع رسول الله ﷺ. آكلُ حسبي وأشربُ حسبي يعني قوتي. رواه الطبراني

---

(١) تحفة الأحوذي شرح سنن الترمذي ٤/ ٥٦.

بإسناد لابأس به، والبيهقي. وزاد وكان قد عاش مئة وعشرين سنة، خمسين في الجاهلية وسبعين في الإسلام».[1]

یہاں بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ علامہ البانیؒ کی تحقیق سے جو «الترغیب والترهیب» چھپی ہے اس میں انہوں نے اپنی روایتی تحقیق کی بنیاد پر اس کو ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ ایک قدیم امام فن کی تحقیق کے مطابق اس کی سند ٹھیک ہے، علامہ البانیؒ کی اس طرز کو علماء حدیث نے ان پر عیب قرار دیا ہے، کہ وہ ائمہ متقدمین کی احکامات کی پیروی نہیں کرتے۔ علامہ البانیؒ کی اس تحقیق کے بارے میں مزید بحث آگے آئے گی۔

••••

راوی کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کا سکوت توثیق ہے یا نہیں؟

یہاں یہ بحث باقی رہتی ہے کہ جس راوی کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل نے سکوت اختیار کی ہو، اور اس کے بارے میں کوئی جرح ثابت نہ ہو، تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ ہمارے زیر بحث راوی عبد الرحمن بن العلاء کے بارے میں بھی یہی صورتِ حال ہے۔

علامہ عبد الفتاح ابو غدةؒ کی تحقیق:

اس اصولی مسئلہ کے بارے میں سب سے پہلے علامہ عبد الفتاح ابو غدةؒ نے بڑی تفصیل کے ساتھ «الرفع والتكميل» کی تعلیقات میں گفتگو کی ہے، طویل تحقیق کے بعد انہوں نے اس بارے میں جو نتیجہ نکالا ہے، وہ یہ ہے کہ: "جس راوی کے بارے میں

---

(١) الترغيب والترهيب ٣/ ١٠١، الترهيب من الامعاء في الشبع، كتاب الطعام. تحقيق إبراهيم شمس الدين. وص ٨٣٤ بتحقيق الألباني.

ائمہ جرح وتعدیل نے سکوت اختیار کی ہو، اور اس کے بارے میں کوئی جرح ثابت نہ ہو، اگر اس راوی کی روایت منکر (ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف) نہ ہو، تو ائمہ جرح وتعدیل کا سکوت اس راوی کی توثیق سمجھی جائے گی"۔

ان کے الفاظ یہ ہیں:

«سکوت المتکلمین في الرجال عن الراوي الذي لم یجرح، ولم یأت بمتن منکر: یُعدُّ توثیقاً له».[1]

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

«فإذا علم هذا كله، اتضحت وجاهة ما أثبتُه من أن مثل البخاري، أوأبي زرعة، أوأبي حاتم، أوابنه، أوابن يونس المصري الصدفي، أوابن حبان، أوابن عدي، أوالحاكم الكبير أبي أحمد، أوابن النجارالبغدادي، أوغيرهم ممن تكلم أو ألف في الرجال، إذا سكتوا عن الراوي الذي لم يجرح ولم يأت بمتن منكر: يُعدُّ سكوتهم عنه من باب التوثيق والتعديل، ولايُعدّ من باب التجريح والتجهيل، ويكون حديثه صحيحا أوحسنا أولاينزل عن درجةالحسن؛ إذا سَلِم مِن المغامز، والله تعالى أعلم».[2]

علامہ عبد الفتاح ابوغدۃؒ کی تحقیق کی تائید معاصر اہل فن سے:

---

(١) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل ص٢٣٠.

(٢) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل ص٢٤٦.

علامہ عبد الفتاح ابو غدۃؒ کی اس تحقیق کی ان محقق علماء نے تائید کی ہیں، جو اصول حدیث میں تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ کے حامل ہیں، وہ حضرات یہ ہیں: علامہ محمد عبد الرشید نعمانیؒ، علامہ حبیب الرحمن اعظمیؒ، علامہ عبد اللہ غماریؒ، علامہ اسماعیل انصاریؒ، مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ۔[1]

عبد الرحمن بن العلاء اور علامہ ابن حبانؒ:

سب سے پہلے علامہ ابن حبانؒ متوفی [۳۵۴ھ] نے عبد الرحمن بن العلاء کی توثیق کی ہے، چنانچہ انہوں نے ان کو اپنی کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج من أهل الشام، يروي عن أبيه، روى عنه مبشر العامري الشامي».[2]

اور اسی بنا پر علامہ مزیؒ متوفی (۷۴۲ھ) اور حافظ ابن حجرؒ متوفی (۸۵۲ھ) عبد الرحمن بن العلاء کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: "ان کو علامہ ابن حبانؒ نے کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے"۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

«ذكره ابن حبان في الثقات».[3]

علامہ ابن حبانؒ کی ایک خاص اصطلاح اور اس کی تشریح:

---

(۱) ملاحظہ ہو: الرفع والتكميل في الجرح والتعديل ص۲٤٧.

(۲) الثقات ٧/ ٩٠.

(۳) تهذيب الكمال ١٧/ ٢٣٢، تهذيب التهذيب ٦/ ٢٢٣.

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ راویوں کی ثقاہت سے متعلق علامہ ابن حبانؒ کی بعض خاص اصطلاحات ہیں، جن کی بنا پر وہ راویوں کی توثیق کرتے ہیں، ان میں سے ایک اصطلاح ان کی یہ ہے کہ اگر ایک راوی سے متعلق کوئی جرح ثابت نہ ہو، تو وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے۔ اس بات کو انہوں نے اپنی کتاب "الثقات" کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

«العدل: مَن لم يعرف منه الجرح، ضدُّ التعديل، فمن لم يُجرح فهو عدل إذا لم يبيّن ضده إذ لم يكلف الناس من الناس معرفة ما غاب عنهم، وإنما كُلّفوا الحكم بالظاهر من الأحكام غير المغيب عنهم».[1]

علامہ ابن حبانؒ کی اصطلاح کی تشریح علامہ عراقیؒ سے:

اس موقع پر ایک اور علمی بحث ہے کہ جن راویوں کی علامہ ابن حبانؒ کے علاوہ کسی اور نے توثیق نہیں کی، ان کے بارے میں کیا رائے اختیار کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس بحث سے متعلق علامہ عراقیؒ کا وہ جواب نقل کیا جائے، جو انہوں نے اپنے شاگرد علامہ ابن حجرؒ کے اس مسئلے سے متعلق دریافت کرنے پر تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا، سوال وجواب کی مکمل عبارت ملاحظہ ہو:

«ما يقول سيدي في أبي حاتم ابن حبان إذا انفرد بتوثيق رجل لايعرف حاله إلا مِن جهة توثيقه له، هل ينهض توثيقه بالرَّجل إلى

---

(۱) كتاب الثقات ۱/ ۱۳.

درجة من يحتج به؟ وإذا ذكر ذلك الرجلَ بعينه أحد الحفاظ كأبي حاتم الرازي بالجهالة، هل يرفعها عنه توثيق ابن حبان له وحده، أم لا؟

فأجاب العراقي بقوله: إن الذين انفرد ابن حبان بتوثيقهم لايخلو: إما أن يكون الواحد منهم لم يروعنه إلاراو واحد. أو روى عنه اثنان ثقتان وأكثر، بحيث ارتفعت جهالة عينه. فإن كان روى عنه اثنان ثقتان وأكثر، ووثقه ابن حبان ولم نجد لغيره فيه جرحا فهو ممن يحتج به. وإن وجدنا لغيره فيه جرحا مفسرا فالجرح مقدم. وقد وقع لابن حبان جماعة ذكرهم في الثقات وذكرهم في الضعفاء، فينظر أيضا إن كان جرحه مفسرا فهومقدم على توثيقه. فأمامن وثقهم ولايعرف للواحد منهم إلا راو واحد فقد ذكره ابن القطان في كتابه «بيان الوهم والإيهام» أن من لم يرو عنه إلا واحد ووثّق، فإنه تزول جهالته بذلك. وذكر ابن عبدالبرأن من لم يرو عنه إلا واحد، وكان معروفا في غير حمل العلم، كالنجدة والشجاعة والزهد، احتج به. وأما إذا تعارض توثيق ابن حبان بتجهيل أبي حاتم الرازي لمن وثقه: فمن عرف حال الراوي بالثقة مقدم على من جهل حاله، لأن من عرف، معه زيادة علم، لكن ابن حبان منسوب إلى التساهل في التصحيح والتوثيق، لكنه أرفع

درجة من الحاكم. قال أبوبكر الحازمي: وابن حبان أمكن في الحديث من الحاكم».[1]

(ترجمہ): "کیا فرماتے ہیں میرے شیخ درج ذیل مسئلہ کے بارے میں، کہ جہاں علامہ ابو حاتم ابن حبان کسی ایسے راوی کی توثیق کے بارے میں متفرد ہو، جس کے بارے میں ان کی توثیق کے علاوہ کچھ معلوم نہ ہو، کیا ان کی توثیق سے وہ راوی اس درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے استدلال کیا جاسکے؟ اور اگر بعینہ اسی راوی کو علامہ ابو حاتم رازیؒ جہالت کے ساتھ ذکر کریں، تو کیا اکیلے علامہ ابن حبانؒ کی توثیق سے اس راوی کی جہالت ختم ہو جائے گی یا نہیں؟ علامہ عراقیؒ نے اس کے جواب میں فرمایا: جن راویوں کی توثیق میں علامہ ابن حبانؒ منفرد ہوں، اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو وہ راوی ایسا ہوگا جس سے صرف ایک راوی نے روایت کی ہو، یا اس سے دو ثقہ یا دو سے زائد ثقہ راویوں نے روایت کی ہو، جس سے اس کی جہالت بالنفس ختم ہو جائے۔ اگر اس سے دو ثقہ یا دو سے زیادہ ثقہ راویوں نے روایت کی ہو، اور ابن حبانؒ نے ایسے راوی کی توثیق کی ہے، اور ابن حبانؒ کے علاوہ کسی اور محدث نے اس پر جرح نہ کی ہو، تو یہ راوی قابل حجت ہوگا۔ اور اگر ابن حبانؒ کے علاوہ کسی اور محدث نے اس پر جرح مفسر کی ہے، تو پھر یہ مفسر جرح ابن حبانؒ کی توثیق پر مقدم ہوگی، ایسا ابن حبانؒ کے ساتھ بہت ہوا ہے کہ انہوں نے بہت سے راویوں کو "ثقات" میں بھی ذکر کیا ہے، اور پھر ان کو "ضعفاء" میں بھی درج

---

(۱) أجوبة الحافظ العراقي على أسئلة تلميذه الحافظ ابن حجر العسقلاني ص ۱۳٦-۱٤۱، بحواله مقدمة «مصنف ابن أبي شيبة» للعلامة محمد عوامه ۱/ ۸۲.

کیا ہے، لہذا اس صورت میں دیکھا جائے گا اگر ابن حبانؒ کی جرح مفسر ہے، تو پھر ان کی جرح ان کی توثیق پر مقدم ہو گی۔ اور جن راویوں کی توثیق ابن حبانؒ نے کی ہو، اور ان سے روایت کرنے والا فقط ایک ہو، تو علامہ ابن القطانؒ نے اپنی کتاب "بیان الوهم والایہام" میں ذکر کیا ہے کہ جس سے روایت کرنے والا فقط ایک ہو، اور اس کی توثیق کی گئی ہو، تو اس سے اس راوی کی جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ اور علامہ ابن عبدالبرؒ نے ذکر کیا ہے کہ جس سے روایت کرنے والا فقط ایک ہو، اور وہ علم کے علاوہ کسی اور فن میں مشہور ہو، جیسے دلیری، بہادری اور زہد وغیرہ، تو وہ راوی قابل حجت ہو گا۔ اور اگر ابن حبانؒ کی توثیق اور ابو حاتم رازیؒ کی تجہیل کا تعارض ہو جائے، تو یہاں جو محدث راوی کی ثقاہت کا علم رکھتا ہے وہ مقدم ہو گا اس پر جو راوی کے حال سے ناواقف ہے؛ کیونکہ جو راوی کو جانتا ہے اس کے پاس زیادہ علم ہے، تاہم ابن حبانؒ کو تصحیح اور توثیق میں تساہل کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ وہ امام حاکمؒ سے ایک درجہ بلند ہیں، علامہ ابو بکر حازمیؒ فرماتے ہیں: علامہ ابن حبانؒ علم حدیث میں امام حاکمؒ سے زیادہ قادر ہیں"۔

علامہ عراقیؒ کی مذکورہ بالا تحقیق علامہ ابن حبانؒ کے اصطلاحات کے حوالے سے بہت قیمتی ہے، جس کی روشنی میں علامہ ابن حبانؒ کے خاص اصطلاحات کے متعلق ہمارے لئے حکم لگانا آسان ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ علامہ عراقیؒ نے ٹھنڈے سینے سے، نہایت انصاف کے ساتھ علامہ ابن حبانؒ کے حوالے سے گفتگو کی ہے، انہوں نے مختصرا یہ طریقہ اختیار نہیں کیا کہ علامہ ابن حبانؒ متساہل ہیں، لہذا ان کا اعتبار نہیں"۔

••••

علامہ ابن حبانؒ کے بارے میں غیر منصفانہ رویہ:

افسوس کہ اس بارے میں علامہ البانیؒ اور ان کی اتباع میں ان کی نہج پر چلنے والے موجودہ بعض حضرات انصاف سے کام نہیں لیتے، اور جلدی سے ایسے راویوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ علامہ ابن حبانؒ کی توثیق کا اعتبار نہیں؛ کیونکہ وہ متساہل ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر بھی علامہ البانیؒ نے عبد الرحمن بن العلاء کے بارے میں یہی لکھا ہے:

«وأما توثيق ابن حبان إياه فمما لا يعتد به لما اشتهر به من التساهل في التوثيق». [1]

لیکن اگر علامہ عراقیؒ کی مذکورہ بالا تحقیق کو دیکھیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علامہ ابن حبانؒ کی توثیق کا اعتبار ہے؛ کیونکہ عبد الرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والے صرف ایک راوی مبشر حلبیؒ ہیں، جو ثقہ ہیں، اور کسی محدث نے اس پر جرح بھی نہیں کی ہے، لہٰذا یہاں علامہ ابن حبانؒ کی توثیق کا اعتبار ہوگا، اس کے علاوہ عبد الرحمن بن العلاء بن لجلاج، صحابیٔ رسول حضرت لجلاجؓ کے پوتے ہیں، اور ان کے والد صحابیٔ رسول حضرت لجلاجؓ کے بیٹے ہیں اور حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں، لہٰذا ان کی خاندانِ علم وفضل سے نسبت کی اضافی خوبی سے بھی ان کی ثقاہت کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن عبد البرؒ کے حوالے سے گذر گیا کہ ایسے راوی کی اضافی شہرت سے بھی اس کی ثقاہت ثابت ہو جاتی ہے۔

---

(١) أحكام الجنائز ص١٩٢.

علامہ سخاویؒ اور علامہ ابن حبانؒ کی توثیق:

یہاں اس موضوع سے متعلق علامہ سخاویؒ [۸۳۹ھ / ۹۰۲ھ] کا حوالہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، موصوف کا شمار خاص طور پر علم حدیث کے ماہر علماء میں ہوتا ہے، ان کو اپنے استاذ حافظ ابن حجرؒ سے علم حدیث کا وافر حصہ حاصل ہوا تھا، اصول حدیث، تخریج احادیث اور علم تاریخ میں ان کی خدمات بے حد قیمتی ہیں۔ چنانچہ وہ راوی جس سے صرف ایک ثقہ راوی روایت کرے، اور اس کے بارے میں کوئی جرح ثابت نہ ہو، صرف علامہ ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہو، علامہ سخاویؒ کے نزدیک بھی اس کی حدیث حسن درجے کی ہوتی ہے، موصوفؒ "القول البدیع" میں ایک ایسے ہی راوی سعید بن عبد الرحمن کی حدیث کی تخریج کرتے ہوئے اسے حسن کا درجہ دیا ہے، فرماتے ہیں:

«وهوحديث حسن، ورجاله رجال الصحيح، لكن فيهم سعيد بن عبدالرحمن مولى آل سعيد بن العاص الراوى له عن حنظلة، وهو مجهول لانعرف فيه جرحا ولاتعديلا، نعم، ذكره ابن حبان في «الثقات» على قاعدته». [1]

شیخ محمد عوامہ مدظلہ نے اس کی تعلیق میں مزید تفصیل بیان کی ہے، ملاحظہ ہو:

«أى: في توثيق من لم يذكر بجرح، كما سيأتي في كلام المصنف ص۲٤۷، وكما عبر المصنف نفسه في «المقاصدالحسنة» (۸۸) عند حديث: «ارحموا من في الأرض»، وأنت ترى أن المصنف حسّن

---

(۱) القول البديع ص۱۱۲.

الحديث هنا اعتمادا على ذكر ابن حبان لسعيد في «ثقاته»، وقارن كلام المصنف هذا بكلام شيخه ابن حجر في «الفتح» ١١: ١٥٩، فإنه أخذ منه كلامه إلى قوله وهو مجهول وزاد عليه تفسيره للجهالة، وزاد عليه قوله وهوحديث حسن. ومما ينبغي التنبيه إليه أيضا أن ابن حبان ذكر سعيدا هذا في «ثقاته» ٦ : ٩٦٨، وقال: «روى عنه إسحاق بن سليمان الرازى» ولم يذكر غيره، كما لم يذكر غيره المزيّ ومتابعوه فى ترجمته، ومع ذلك حسن المصنف-وهوالحافظ الناقد- حديثه هذا، كما ترى. فالأحكام التى قاله االمعلمى في «التنكيل» الترجمة٢٠٠، في حق من يوثقه ابن حبان وتوبع عليها: غيرمنضبطة ولاتتفق مع أحكام علمائنا السابقين، وهذه إشارة عابرة فتأن وتدبر، وللتفصيل مجال آخر إن شاء الله، وقديسره الله تعالى، وله الحمد، فانظر ص٧٧-١٠١ من المقدمة التى كتبته لمصنف ابن أبى شيبة رحمه الله، وقد زدت عليها شيئا وألحقتها بالطبعةالثانية من دراسات «الكاشف» والحمدلله».[1]

علامہ محمد عوامہ اور علامہ ابن حبانؒ کی توثیق:

علامہ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ زمانہ حاضر کے محقق محدث ہیں۔ علم حدیث، اصول حدیث میں ان کی خدمات نہایت قابل قدر ہیں، ان کی تحقیقات بہت دقیق اور برسوں کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ علامہ ابن حبانؒ کی توثیق واحکامات کے دفاع میں انہوں نے بڑی کوشش کی ہے، پچھلے صفحات میں ان کی متعدد عبارتیں گذرچکی ہیں، یہاں ان کی ایک اور

---

(١) تعليق «القول البديع» ص ١١٢-١١٣.

عبارت ذکر کی جاتی ہے جس میں انہوں نے اپنی تحقیق کا خلاصہ یوں نقل کیا ہے، کہ جس راوی کے بارے میں کوئی جرح ثابت نہ ہو، علامہ ابن حبانؒ کی توثیق اس کے بارے میں قبول کی جائے گی، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

«وكنتُ قررت في دراسة «الكاشف»: أن توثيق ابن حبان لمن لم يطعن فيه جدير بالقبول. وزدت ذلك بيانا وتأصيلا في مقدمة لمصنف ابن أبي شيبة ص۷۷-۱۰۱، وسألحقه إن شاءالله بمقدمة الطبعةالثانية لـ «الكاشف».»[۱]

علامہ ذہبیؒ اور عبدالرحمن بن العلاء:

علامہ ذہبیؒ متوفی [۷۴۸ھ] نے عبدالرحمن بن العلاء کا تذکرہ اپنی کتاب "میزان الاعتدال" میں کیا ہے، ملاحظہ ہو:

«[٤٩٢٥] عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج شامي، عن أبيه، ماروى عنه سوى مبشر بن إسماعيل الحلبي».[۲]

• علامہ البانیؒ کے نزدیک عبدالرحمن بن العلاء مجہول راوی ہے، انہوں نے اس بارے میں علامہ ذہبیؒ کے اس قول کہ: "عبدالرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہے" سے بھی استدلال کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) مقدمة تقريب التهذيب ص١٤.

(۲) ميزان الاعتدال ٢/ ٥٧٩، الكاشف ١/ ٦٣٦.

«لأن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج معدودٌ في المجهولين، كما يشعر بذلك قول الذهبي في ترجمته من «الميزان»: «ما روى عنه سوى مبشر هذا».[1]

علامہ البانیؒ سے پہلے علامہ برہان الدین ابو الوفاء ابراہیم بن محمد بن الخلیل معروف بسبط بن العجمیؒ متوفی (۸۴۱ھ) نے بھی علامہ ذہبیؒ کی اس عبارت کی بنا پر یہی نتیجہ نکالا ہے کہ عبد الرحمن بن العلاء مجہول ہے، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج شامي عن أبيه، وعنه إسماعيل، ذكره ابن حبان في «الثقات» كما رأيته فيها ولم يذكر عنه راويا إلا مبشر بن إسماعيل. وقد ذكره الذهبي في «الميزان» وقال: ما روى عنه غير مبشر بن إسماعيل، يعني فهو مجهول العين. وقد تقدم مرارا أن مجهول العين ضعيف وهو من لم يرو عنه عدلان وكذا مجهول الحال ضعيف».[2]

لیکن درست اور احتیاط کی بات یہ ہے کہ علامہ ابن حبانؒ کی ثقاہت کا اعتبار کر کے ان کو ثقہ قرار دیا جائے، جیسا کہ کئی ائمہ فن نے یہ قرار دیا ہے۔

---

(١) أحكام الجنائز ص١٩٢.

(٢) نهاية السول في رواة الستة الأصول ٥/ ١٥٦٢.

حافظ ابن حجرؒ اور عبدالرحمن بن العلاء:

حافظ ابن حجرؒ نے عبدالرحمن بن العلاء کا تذکرہ اپنی تین کتابوں میں کیا ہے: «تهذيب التهذيب»، «تقريب التهذيب»، «لسان الميزان»[1]، البتہ انہوں نے «تقريب التهذيب» میں ان کے بارے میں جو خلاصہ اور نتیجہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج بجيمين مقبول من السابعة. ت»[2]

حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک عبدالرحمن بن العلاء "مقبول" درجہ کا ہے، ان کے نزدیک مقبول درجہ کس راوی کا ہوتا ہے؟ اس کے بارے وہ خود اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

«السادسة: من ليس له من الحديث إلا القليل، ولم يثبت فيه مايترك حديثه من أجله، وإليه الإشارة بلفظ مقبول، حيث لم يتابع، وإلا فلين الحديث».[3]

---

(۱) ملاحظہ ہو: «تهذيب التهذيب» ٦/ ٢٢٣، «تقريب التهذيب» ١/ ٥٨٥، «لسان الميزان» ٣/ ٢٢٠.

(۲) تقريب التهذيب ١/ ٥٨٥.

(۳) مقدمة تقريب التهذيب ص٧٥.

(ترجمہ) "چھٹا مرتبہ: جس راوی کی روایت کردہ احادیث کی تعداد کم ہو، اور اس راوی سے متعلق کوئی ایسی جرح بھی ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی حدیث چھوڑی جائے، ایسے راوی کی طرف لفظ "مقبول" سے اشارہ کیا جائے گا، یعنی جب اس کا متابع ہو (تو پھر یہ مقبول ہوگا)، اور اگر اس کا متابع نہ ہو، تو پھر یہ لین الحدیث (یعنی ضعیف الحدیث) ہوگا"۔

حافظ ابن حجر کی اصطلاح "مقبول" کی تشریح:

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "تقریب التھذیب" میں بعض خاص اصطلاحات کا استعمال کیا ہے، جو ان کی صرف اس کتاب میں عادت ہے، دیگر کتابوں میں ان کی یہ عادت نہیں، ان میں سے ایک لفظ مقبول کا استعمال بھی ہے، مقدمہ میں حافظ ابن حجرؒ نے اس کی جو وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ یہ الفاظ ان کے لیے لکھیں گے جن مذکورہ تین باتیں موجود ہوں: (۱) اس سے کم احادیث مروی ہوں (۲) اس پر کوئی جرح ثابت نہ ہو (۳) حدیث بیان کرنے میں متفرد نہ ہو۔

اس قاعدے کے مطابق حافظ ابن حجرؒ مقبول ہے، اور جس راوی میں پہلے کی دو شرائط تو ہوں اور آخری شرط نہ ہو تو وہ لین الحدیث ہوگا، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ولید بن زوزان کے بارے میں "لین الحدیث" لکھا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کے اس قاعدہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس راوی کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے "مقبول" کا لفظ استعمال کیا ہے، اس کی روایتوں کے بارے میں ہم دیکھیں گے کہ اگر اس کا متابع ہے تو اس کو قبول کریں گے، ورنہ وہ "لین الحدیث" ہوگا۔ بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے خود عملی طور پر ایسے راویوں کی روایتوں کا جائزہ لیا ہے، اور

حقیقت حال جاننے کے بعد اس راوی کے بارے میں ایک فیصلہ دیا ہے، کہ یہ وہ راوی ہے جو مقبول ہے، کیونکہ اس کی روایات کے متابع ہیں، اور یہ راوی "لین" ہے، کیونکہ اس راوی کی روایات کے متابع موجود نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کے اس قاعدے کے اس تشریح کے علاوہ اور کوئی تشریح مشکل ہے، کیونکہ عملی طور پر انہوں نے کسی ایک راوی کے بارے میں مقبول کا لفظ استعمال کیا ہے، اور کسی کے لیے لین استعمال کیا ہے۔ اگر حافظ ابن حجرؒ نے یہ حکم قارئین کے سپرد کرنا تھی، تو پھر بعض راویوں کے لیے مقبول اور بعض کے لیے لین کے استعمال مختلف عنوانات کیوں اختیار کرتے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ محمد عوامہ نے حافظ ابن حجرؒ کے اس خاص اصولی منہج پر اپنے ایک خدشہ کا اظہار کیا ہے، کہ حافظ ابن حجر کا ایک راوی کے لیے اس طرح ایک متعین حکم لگانا ایک مشکل کام ہے، ایک راوی کی تمام روایات کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کی تمام روایات کے لیے متابع موجود ہیں، یا ان کی تمام روایات کے لیے متابع نہیں ہیں، اس کا استقصاء ایک مشکل مرحلہ ہے۔[1]

اور ایک جگہ تو شیخ محمد عوامہ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) لیکن عموماً ایسے راویوں کی روایات کم ہوتی ہیں اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر جیسے وسیع المطالعہ شخصیت کے لئے ایسے راویوں کے بارے میں یہ کہنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

«ویزیدك الأمر غرابة أن المصنف قال عن الولید: «وثقه ابن حبان ولم یضعفه أحد» وقد توبع، مع ذلك قال عنه: «لین الحدیث» وشرطه هنا في «التقریب» عدم المتابع، وأن یکون فیه کلام لکنه لم یثبت فیه!! فلم لم یقل عنه: «مقبول»؟!.»[1]

(ترجمہ) "یہاں تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ خود حافظ ابن حجرؒ ولید کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ ابن حبانؒ نے اس کی توثیق کی ہے، اور کسی نے اس پر جرح نہیں کی ہے" اور اس کی روایت کا متابع بھی ہے، اس کے باوجود حافظ ابن حجرؒ نے اس کے لیے «لین» کا لفظ استعمال کیا ہے، یہاں چاہیے یہ تھا کہ ان کے لیے «مقبول» کا لفظ استعمال کرتے"۔

مذکورہ بالا بحث کے بعد حافظ ابن حجرؒ کے اصول کے مطابق عبد الرحمن بن العلاء قبول درجے کا راوی ہے، گویا ان کی حدیث کا متابع ہے، اور خود عملی طور پر بھی جب ہم دیکھیں تو حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی دوسری روایت اس کے لیے متابع ہے، اصولی لحاظ سے تو یہ شاہد بنے گی، کیونکہ سند مختلف ہے اور متابع میں سند ایک ہوتی ہے جیسا کہ اصول حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے، مگر ایک تو متابع پر شاہد اور شاہد پر متابع کا اطلاق ہوتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ متابع اور شاہد دونوں کا فائدہ ایک ہی ہے، کہ اس کے ذریعہ سے حدیث کو ایک جیسی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ خود حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

---

(١) تقریب التهذیب ١/ ٥٨٥.

«وقد تطلق المتابعة على الشاهد، وبالعكس، والأمر فيه سهل».[1]

(ترجمہ) "کبھی متابع پر شاہد اور کبھی اس کے برعکس اطلاق ہوتا ہے، اور اس میں فیصلہ آسان ہے"۔

اور «الأمر فيه سهل» کے حاشیہ میں علامہ ڈاکٹر نورالدین عتر حفظہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

«لأن المقصود التقوية، وهي حاصلة بكل منهما».[2]

(ترجمہ): "کیونکہ مقصود تقویت ہے اور یہ ان دونوں سے حاصل ہوتی ہے"۔

اس کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ نے باقاعدہ صراحت کے ساتھ بھی اس حدیث کو قابل حجت بتلایا ہے، انہوں اس کو حسن کا درجہ دیا ہے۔ اس طرح حافظ ابن حجرؒ کا قاعدہ اور عمل دونوں ایک ہیں، حافظ ابن حجرؒ کا یہ حوالہ علامہ ابن علانؒ اور علامہ غماریؒ کے حوالے سے پیچھے گذر چکا ہے، (حدیث لجلاجؓ اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے سے متعلق علامہ ابن حجرؒ کی مزید تحقیق مذہب شافعیؒ کے ذیل میں آئے گا)۔

••••

---

(۱) نزهة النظر ص۷۵.

(۲) نزهة النظر لتحقيق الدكتور نورالدين عتر ص۷۵.

عبد الرحمن بن العلاء اور علامہ البانیؒ:

علامہ البانیؒ کے نزدیک عبد الرحمن بن العلاء مجہول راوی ہے، لہذا وہ ضعیف ہے، انہوں اپنے اس دعوی کے لئے علامہ ابن حجرؒ کے لفظِ "مَقْبُوْلٌ" سے بھی استدلال کیا ہے، کہ چونکہ اس کی روایت کے لیے متابع نہیں لہذا حافظ ابن حجرؒ کے اصول کے مطابق عبد الرحمن بن العلاء "لین الحدیث" ہو گیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

«ولذلك لم يعرج عليه الحافظ في «التقريب» حين قال في المترجم: «مقبول» يعني عند المتابعة وإلا فـلين الحديث» كما نصّ عليه في المقدمة». [1]

لیکن ہم نے حافظ ابن حجرؒ کے اس قاعدے کی تشریح بیان کردی ہے کہ یہ راوی ان کے نزدیک مقبول ہے، الگ سے اس کے متابع دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ نے تحقیق کر کے مقبول کا ہی فیصلہ کر دیا ہے۔

بندہ کے مطالعہ کے مطابق سب سے پہلے علامہ البانیؒ نے عبد الرحمن بن العلاء کی اس روایت کے بارے میں نقد کیا ہے، پچھلے صفحات میں بھی اور آئندہ بھی ان کے اٹھائے ہوئے شبہات کے بارے میں بحث کی جائے گی، یہاں ان کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے۔

علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

---

(١) أحكام الجنائز ص ١٩٣.

«...الثالث: أن السند بهذا الأثر لايصح عن ابن عمر، ولو فرض ثبوته عن أحمد، وذلك لأن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج معدود في المجهولين، كما يشعر بذلك قول الذهبي في ترجمته من «الميزان»: «ما روى عنه سوى مبشر هذا» ومن طريقه رواه ابن عساكر (١٣/ ٣٩٩/ ٢).

وأما توثيق ابن حبان إياه، فممّا لايعتد به لما اشتهر به من التساهل في التوثيق، ولذلك لم يعرج عليه الحافظ في «التقريب» حين قال في المترجم: «مقبول» يعني عند المتابعة وإلا فلين الحديث» كما نصّ عليه في المقدمة، ومما يؤيد ما ذكرنا أن الترمذي مع تساهله في التحسين لما أخرج له حديثا آخر (٢/ ١٢٨) و ليس عنده غيره سكت عليه ولم يحسنه!».[1]

علامہ البانیؒ "مشکاۃ شریف" کی تخریج میں حدیث لجلاج کے تحت فرماتے ہیں:

«فيه عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج وهومجهول. كماتقدم (١٥٦٣)».[2]

اور حدیث نمبر (١٥٦٣) کے تحت لکھتے ہیں:

---

(١) أحكام الجنائزص١٩٣.

(٢) المشكاة ١/ ٥٣٨.

«(رواه الترمذي) في سننه ١/ ١٨٣، وإسناده ضعيف، فيه عبدالرحمن بن العلاء وهو ابن اللجلاج وهو مجهول كما أشارإلى ذلك الترمذي بقوله: إنمانعرفه من هذا الوجه».[١]

علامہ ابن شاہینؒ اور عبد الرحمن بن العلاء:

یہاں ایک ضروری بحث یہ ہے کہ علامہ ابن شاہینؒ مولود سن ۲۹۷ھ متوفی سن ۳۸۲ھ نے "کتاب الثقات" میں عبد الرحمن بن العلاء کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ یہ ثقہ ہے، لیکن اس میں لجلاج کی تصریح نہ ہونے کی وجہ سے یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی عبد الرحمن بن العلاء بن لجلاج ہو، جو ہمارے زیر بحث ہے، اگرچہ عبد الرحمن بن العلاء کے نام سے کوئی دوسرا راوی بھی نہیں ہے، رجال کی کتابوں میں عبد الرحمن بن العلاء سے یہی مراد ہوتے ہیں، اور " ثقات ابن شاهين" کے محقق نے بھی یہی عبد الرحمن بن العلاء بن لجلاج کا ترجمہ نقل کیا ہے۔[٢]

بعد میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ مولانا فیصل ندوی نے بھی ابن شاہین کے حوالے کی بناء پر عبد الرحمن بن العلاء بن لجلاج کو ثقہ قرار دیا ہے، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

---

(١) المشكاة ١/ ٤٩٢، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض.

(٢) ملاحظہ ہو: «تاريخ أسماء الثقات ممن نقل عنهم العلم» لابن شاهين ص٢١٨، رقم الحديث: ٢١٨، تحقيق عبد المعطي القلعجي، طبع دارالكتب العلمية بيروت.

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج: مقبول. روى له الترمذی كذا في «التقريب» (ص٣٤٨)، وذكره ابن حبان في «الثقات» (٧/ ٩٠). وقال ابن شاهين: ثقة. (تاريخ أسماء الثقات ص٢١٨ رقم ٧٨٥).... قلت: فمن العجيب قول الألباني-تعليقاً على قول البيهقي: «والصحيح أنه موقوف عليه»-: والموقوف لايصح إسناده، فيه عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج وهو مجهول. كيف خفي على مثل الألباني حال عبدالرحمن بن العلاء، وقد أورده ابن حبان في «الثقات»، وقال ابن شاهين: ثقة، وقال الحافظ: مقبول كما تقدم، ومن عرف حجة على من لم يعرف كما قال الألباني نفسه. (الصحيحة ٢/ ١٥٤ و٢٤٣)».[1]

بہر حال ایک تو مطبوع کتاب میں لجلاج کی تصریح نہ ہونے سے شک گذر رہا ہے، اور دوسرا یہ کہ علامہ ابن شاہینؒ کی اس توثیق کو اگرچہ مذکورہ دو محققین نے ذکر کیا ہے، لیکن ان سے پہلے علماء جرح وتعدیل نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، اور یہ بات ذرا بعید معلوم ہوتی ہے کہ متقدمین علماء میں سے کسی کی نگاہ اس طرف نہیں گئی ہو۔ الغرض اس بات کی پوری تحقیق جب ہی ممکن ہو سکتی ہے کہ کسی متقدم امام فن کا حوالہ مل جائے اور یا «ثقات ابن شاهين» کی کسی معتبر مخطوطے سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے، کیونکہ موجودہ طباعت تحقیقی نوعیت کے اعتبار سے زیادہ عمدہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے بارے میں علامہ ڈاکٹر نورالدین عتر نے یہ تبصرہ کیا ہے:

---

(١) الأيات البينات ص ٦٧-٦٨.

«وكتابه الثقات مطبوع دون تدقيق». [1]

بہرحال ابن شاہینؒ کی توثیق کے بغیر بھی عبدالرحمن بن العلاء کے بارے میں توثیق کا قول زیادہ بہتر ہے اور اگر ابن شاہینؒ کا یہ حوالہ بھی درست ہے تو پھر تو زہے نصیب! ایک اور جرح و تعدیل کے امام کی تصریح علامہ ابن حبانؒ کے ساتھ موافق ہوگئی، اور یوں تو پھر کوئی شک ہی باقی نہیں رہتا کہ عبدالرحمن بن العلاء ثقہ ہے۔ [2]

---

(۱) نزهة النظر، التعليق ص ۱٤٣. چنانچہ اس کی طباعتی اغلاط پر مستقل کتاب لکھی گئی ہے: نصوص ساقطة من طبعات أسماء الثقات لابن شاهين، الدكتور سعد الهاشمي، مكتبة الدار بالمدينة المنورة. اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے حالات میں ہے کہ انہوں نے بھی اس پر ایک تنقیدی مقالہ لکھا ہے۔

(۲) پہلی طباعت میں ثقات ابن شاہین کے حوالے سے یہ مقالہ رائے اختیار کی تھی، ثقات ابن شاہین کی دیگر طبعات ملاحظہ کی گئیں، تو ہماری اس رائے کو مزید تقویت ملی۔ چنانچہ صبحی سامرائی کی تحقیق سے جو ثقات ابن شاہین چھپی ہے اس میں عبارت یوں ہے: عبدالرحمن بن العداء، ثقة. پھر محقق نے لکھا ہے: عبدالرحمن بن العداء الكندي. قال أبو حاتم: صالح. (الجرح والتعديل ٥/٢٦٨). (ثقات ابن شاهين، تحقيق صبحي السامرائي، طبع الدار السلفية ١٤٠٤هـ). الغرض یہ عبدالرحمن بن العداء ہے، عبدالرحمن بن العلاء نہیں۔

عبدالرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والا کیا ایک ہے؟

یہاں دوسری بحث یہ ہے کہ اکثر رجال کی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والے صرف ایک ثقہ راوی مبشر بن اسماعیل حلبیؒ ہے، لیکن "اصابہ" میں ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے قیس راوی نے بھی روایت کی ہے، ملاحظہ ہو:

«عن قيس سمعت عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه عن جده قال: ماملأتُ بطني منذأسلمتُ مع رسول الله ﷺ».[1]

لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں "اصابہ" کے نسخے کی غلطی ہے، قیس کی جگہ یہاں مبشر ہے، جو چھپنے میں غلط طبع ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ روایت خطیب بغدادیؒ کی کتاب «المتفق والمفترق» سے نقل کی ہے، اور بندہ نے اس کتاب میں رجوع کیا تو وہاں راوی مبشر ہے۔[2]

اور حافظ ابن حجرؒ کی «لسان الميزان» میں اور «خلاصہ خزرجی» میں عبدالرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والے ایک اور راوی لیث بن ابی سلیم کا بھی تذکرہ ملتا ہے، چنانچہ محمد عبدالرحمن مرعشلی کی تحقیق سے جو "لسان الميزان" چھپی ہے، اس میں ہے:

---

(١) الإصابة في تمييز الصحابة٦/ ٦.

(٢) المتفق والمفترق ٣/ ١٨١٦.

«عبدالرحمن بن العلاءبن اللجلاج [نزيل حلب عن أبيه وعنه ليث بن أبي سليم]».[1]

اور بریکٹ کی اس عبارت کے بارے میں حاشیہ میں لکھا ہے: «زيادة من المطبوعة». کہ یہ مطبوعہ نسخے سے اضافہ کیا گیا ہے، پیش نظر مخطوطات میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور اسی طرح "لسان الميزان" موسسة الأعلى بيروت کے نسخے میں بھی یہ ہے۔[2]

اور "خلاصة تذهيب التهذيب للخزرجي" میں ہے: «عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه وعنه ليث بن أبي سليم».[3]

لیکن بظاہر یہ بھی غلطی ہے، اور مبشر حلبی کی جگہ لیث کو غلطی سے ذکر کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ علی بن صلاح الدین صنعانی [۱۱۲۰ھ / ۱۱۹۱ھ] نے اس کتاب پر جو حاشیہ «اتحاف الخاصة بتصحيح الخلاصة» تحریر فرمایا ہے، اس میں موصوف نے فرمایا ہے:

«كذا في نسخة أخرى وفي «التهذيب»: وعنه مبشر بن إسماعيل الحلبي ولم يذكر أحدًا سواه وليس لليث ذكرٌ في هذه الترجمة. وذكره ابن حبان في «الثقات».[1]

---

(۱) لسان الميزان

(۲) لسان الميزان الطبعة الثانية ۱۳۹۰هـ

(۳) خلاصة تذهيب التهذيب ص ۲۳۳ المطبعة المبرية ۱۳۰۱هـ

ترجمہ: "اسی طرح ایک اور نسخے میں بھی ہے، لیکن تہذیب الکمال میں اس سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی مبشر حلبی ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور ذکر نہیں کیا ہے، لیث کا یہاں تذکرہ نہیں ہے۔ اور اس راوی کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے"۔

حالات علاء بن لجلاجؒ

علاء بن لجلاجؒ یہ حضرت لجلاجؓ کے بیٹے ہیں، اور حضرت لجلاج اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے شاگرد ہیں۔ ان دونوں سے روایتیں نقل کی ہیں۔ علامہ عجلیؒ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اور علامہ ابن حبانؒ نے بھی ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ صحاح ستہ میں سے صرف ترمذی شریف میں ان کی ایک روایت موجود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ ان کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

«العلاء بن اللجلاج الغطفاني ويقال العامری الشامی يقال إنه أخو خالد بن اللجلاج، روى عن أبيه وابن عمر. قال العجلي: ثقة. روى له الترمذی حديثا واحدا عن عائشة في شدة الموت. قلت: وذكره ابن حبان في «الثقات».[۲]»

حالات حضرت لجلاجؓ

---

(۱) خلاصة تهذيب التهذيب ص۲۳۳

(۲) تهذيب التهذيب ۸/ ۱۷۰.

لجلاج کے نام سے دو صحابی کتب تاریخ میں معروف ہیں، ایک حضرت لجلاج علاء کے والد اور دوسرے حضرت لجلاج خالد کے والد، یہ دونوں ایک ہیں یا دونوں الگ الگ ہیں، ائمہ فن کی اس بارے میں دونوں رائے ہیں، علامہ ابن معینؒ کی رائے ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں، جبکہ علامہ ابن سمیعؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں علامہ ابن سمیعؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان دونوں کا الگ الگ ترجمہ نقل کیا ہے۔ ان کی عبارت آگے آرہی ہے، اس لحاظ سے زیر بحث روایت میں حضرت لجلاجؓ سے مراد حضرت لجلاج علاء کے والد مراد ہے۔

تاہم یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہیں کہ صحابی کے بارے میں مذکورہ بالا جہالت کوئی قابل جرح بات نہیں، کیونکہ صحابہ تمام کے تمام ثقہ ہیں۔

ذیل میں دونوں حضرات کا ترجمہ "الإصابہ" سے نقل کیا جاتا ہے:

"(لجلاج غطفانی)

علامہ ابوعباس سراج نے اپنی "تاریخ" میں اور خطیب بغدادیؒ نے "متفق" میں اپنی سند سے علاء بن لجلاج سے نقل کیا ہیں کہ حضرت لجلاجؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے اس وقت سے میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ہے، جب کہ حضرت لجلاجؓ کی کل عمر ایک سو بیس سال تھی، پچاس سال دور جاہلیت کی اور ستر سال اسلام کی۔

علامہ عسکریؒ نے آخری جملہ اس کے برعکس نقل کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ دور جاہلیت کی عمر ستر تھی اور اسلام کی پچاس سال۔ علامہ ابوالحسن ابن سمیعؒ فرماتے ہیں کہ لجلاجؓ جو علاء کے والد ہیں، وہ لجلاج غطفانی ہیں۔

(لجلاج عامری خالد کے والد)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے صحابیت ثابت ہے، انہوں نے حضرت لجلاجؓ کا تذکرہ اپنی "تاریخ" میں کیا ہے اور ذیل کی روایت بھی نقل کی ہے، اسی طرح "الادب المفرد" میں اور "سنن ابی داود" اور "سنن نسائی" میں خالد بن لجلاج سے منقول ہے کہ حضرت لجلاج فرماتے ہیں کہ ہم چھوٹے بچے ہوتے تھے، بازار میں کام کرتے تھے، حضور ﷺ کے پاس ایک شخص لایا گیا اور اس کو رجم کیا گیا، ایک آدمی آیا اس نے ہم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا، ہم اس کو لیکر حضور ﷺ کے پاس آئے، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ یہ ہم سے خبیث کے بارے میں پوچھتا ہے جس کو آج سنگسار کیا گیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کو خبیث مت کہو کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہے"۔

اس کو بعض نے تفصیل کے ساتھ اور بعض نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور ابوداود اور نسائی نے ایک اور سند کے ساتھ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔

علامہ ابن سمیعؒ فرماتے ہیں کہ یہ (حضرت لجلاج) بنی زہرہ کے موالی میں سے ہیں، ان کا انتقال دمشق میں ہوا ہے۔

اور علامہ ابن معینؒ سے یہ منقول ہے کہ حضرت لجلاج علاء کے والد اور حضرت لجلاج خالد کے والد، یہ دونوں ایک ہیں، یہی بات علامہ مزیؒ نے اپنی "اطراف" میں اختیار کی ہے، چنانچہ انہوں نے لجلاج علاء کے والد کے تحت یہ اوپر والی روایت نقل کی ہے، اور علامہ مزیؒ "تہذیب الکمال" میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاذ سے روایت کی ہے، اور ان سے ابوالورد بن ثمامہ نے روایت نقل کی ہے۔

میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں کہ علامہ ابن السمیعؒ کے قول کی تقویت اور ترجیح خود حضرت لجلاج عامریؓ کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے زمانے میں چھوٹے تھے، اور حضرت لجلاج غطفانیؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ (وہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے ان کی عمر ستر یا پچاس سال تھی) (یعنی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں)۔

اب حافظ ابن حجرؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

[اللجلاج الغطفاني]

«أخرج أبوالعباس السراج في «تاريخه» والخطيب في «المتفق» مِن مشيخة شيخه يعقوب بن سفيان في ترجمة شيخه محمد بن أبي أسامة الحلبي عن قيس سمعتُ عبدالرحمن بن العلاء ابن اللجلاج عن أبيه عن جده قال: ما ملأتُ بطني منذ أسلمت مع رسول الله ﷺ قال كان عاش مئة وعشرين سنة خمسين في الجاهلية وسبعين في الإسلام. وذكر العسكري عكس ذلك أنه وفد وهو ابن سبعين وعاش بعد ذلك خمسين.

وقال أبوالحسن بن سميع: لجلاج والد العلاء غطفاني.

[اللجلاج العامري والد خالد]

قال البخاري: له صحبة وأورد في «التاريخ» والسياق له. وفي «الأدب المفرد» وأبوداؤد والنسائي في «الكبرى» من طريق محمد بن عبدالله الشعيثي عن سلمة بن عبدالله الجهني عن خالد بن اللجلاج

عن أبيه قال: كنا غلماناً نعمل في السوق فأتي النبي ﷺ برجل فرجم فجاء رجل فسألنا أن ندله على مكانه فأتينا به النبي ﷺ فقلنا: إنه ذا يسألنا عن ذلك الخبيث الذى رجم اليوم فقال: لاتقولوا خبيث فوالله لَهُوأطيب عند الله من المسك.

طوّله بعضهم واختصره بعضهم. وأخرج أبوداؤد والنسائي من وجه آخر مطولا عن خالد بن اللجلاج. قال ابن سميع: هومولى بني زهرة، مات بدمشق. وعن ابن معين: لجلاج والد خالد ولجلاج والد العلاء واحد. وعلى ذلك مشى المزى في «الأطراف» فقال: لجلاج والد العلاء. ثم ساق حديث خالد بن الجلاج عن أبيه. وقال فى «التهذيب»: روى أيضا عن معاذ وروى عنه أيضا أبوالورد بن ثمامة. قلت: يقوى قول ابن سميع قول العامرى إنه كان غلاما في عهد النبي ﷺ وقول والد العلاء». [1]

(١) الاصابة في تمييز الصحابة٦/ ٦.

دوسری حدیث: حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

مسئلہ مذکورہ سے متعلق دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے، پیچھے ان کی موقوف روایت بھی گذر چکی ہے، عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث کو متعدد علماء نے نقل کیا ہے، اور اس سے مسئلہ مذکورہ کے لئے استدلال کیا ہے، ان کی یہ حدیث (۱) امام خلالؒ [۲۳۴ھ/۳۱۱ھ]، (۲) امام طبرانیؒ [۲۶۰ھ/۳۶۰ھ] اور (۳) امام بیہقیؒ [۳۸۴ھ/۴۵۸ھ] نے روایت کی ہے۔

اب ان کی روایات ترتیب وار ملاحظہ ہو:

(۱) روایتِ امام خلالؒ [۲۳۴ھ/۳۱۱ھ]:

امام خلالؒ فرماتے ہیں:

«وأخبرني العباس بن محمد بن أحمد بن عبدالكريم، قال: حدثني أبوشعيب عبدالله بن الحسين بن أحمد بن شعيب الحران كتابه، قال: حدثني يحيى بن عبدالله الضحاك البابلتي، حدثنا أيوب بن نهيك الحلبي الزهري مولى آل سعد بن أبي وقاص قال: سمعت عطاء بن أبي رباح المكي، قال: سمعت ابن عمر، قال: سمعت النبي ﷺ يقول:

إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمتها في قبره. "(۱)

[ترجمہ] "عطاء بن ابی رباح کہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے، تو اسے دیر روکے نہ رکھو اور اس کو قبر کی طرف جلدی لے جاؤ، اور قبر پر اس کے سر کی جانب سورت بقرہ کا شروع، اور پاؤں کے پاس سورۃ بقرہ کا آخری حصہ پڑھو"۔

(۲) روایتِ امام طبرانیؒ [۲۶۰ھ / ۳۶۰ھ]:

امام طبرانیؒ فرماتے ہیں:

«[۱۳٤۳۸] حدثنا أبو شعيب الحراني، ثنا يحيى بن عبدالله البابلتي، ثنا أيوب بن نهيك، قال: سمعت عطاء بن أبي رباح، قال: سمعت ابن عمر، يقول: سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب، وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره». "(۲)

علامہ طبرانیؒ کے حوالے سے اس روایت کو متعدد محدثین نے ذکر کیا ہے، ذیل میں ترتیب وار یہ نقل کیے جاتے ہیں:

---

(۱) كتاب القراءة عند القبور ص۲، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۲۹۲/۱.

(۲) المعجم الكبير ٦/ ۲٥٥، طبع دار الكتب العلمية بيروت.

علامہ ہیثمیؒ کا حوالہ:

(۱) علامہ ہیثمیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے، اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں یحیٰی بابلتی راوی ہے اور وہ ضعیف ہے، ملاحظہ ہو:

«رواه الطبراني في «الكبير»، وفيه يحيى بن عبدالله البابلتي وهو ضعيف».[1]

علامہ ابن حجرؒ کا حوالہ:

(۲) اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ایک جگہ یہ روایت نقل کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی سند حسن درجے کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

«ويؤيده حديث ابن عمر: سمعتُ رسول الله ﷺ إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، أخرجه الطبراني بإسناد حسن».[2]

(۳) روایتِ امام بیہقیؒ [۳۸۴ھ/۴۵۸ھ]:

عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث امام بیہقیؒ نے بھی روایت کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

«[۸۸۵٤] أخبرنا علي بن أحمد بن عبدان، أخبرنا أحمد بن عبيد الصفار، حدثنا أبوشعيب الحراني، حدثنا يحيى بن عبدالله البابلتي،

---

(۱) مجمع الزوائد ۳/ ۱۲٤ (٤٢٤٢)، باب ما يقول عند إدخال الميت القبر.

(۲) فتح الباري شرح صحيح البخاري ۳/ ۲۳۷، باب السرعة بالجنازة.

حدثنا أيوب بن نهيك الحلبي مولى آل سعد بن أبي وقاص، قال: سمعت عطاء بن أبي رباح، سمعت عبدالله بن عمر، سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة الكتاب، وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره.

لم نكتبه إلا بهذا الإسناد فيما أعلم، وقد روينا القراءة المذكورة فيه عن ابن عمر موقوفا عليه». [1]

صاحبِ مشکوۃ علامہ تبریزیؒ کا حوالہ:

امام بیہقیؒ کی یہ روایت صاحبِ مشکوۃ علامہ تبریزیؒ [۷۴۱ھ] نے بھی ذکر کی ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

«عن عبدالله بن عمر قال: سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمة البقرة. رواه البيهقي في «شعب الإيمان» وقال: والصحيح أنه موقوف عليه». [2]

کیا حدیث ابن عمر موقوف ہے؟ صاحبِ مشکوۃ کی ایک تسامح پر تنبیہ:

---

(۱) شعب الإيمان ۱۱/ ۴۷۱-۴۷۲، طبع مكتبة الرشد رياض.

(۲) مشكاة المصابيح بشرح القاري ۴/ ۸۱، باب دفن الميت، الفصل الثالث.

صاحبِ مشکوۃ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہاں ایک نئی بحث سر اٹھاتی ہے، کہ حدیثِ ابن عمر موقوف ہے یا مرفوع؟ اگر قارئین کرام غور کریں، تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث ابن عمرؓ مرفوع ہے نہ کہ موقوف؛ کیونکہ ابن عمرؓ اس بات کی تصریح کر رہے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے، لیکن صاحبِ مشکوۃ لکھتے ہیں: " کہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے"۔

یہاں صاحبِ مشکوۃ نے امام بیہقیؒ کی بات کو ان کے الفاظ میں نقل کرنے کے بجائے اس کا خلاصہ نقل کرنے کی کوشش کی ہے، اور اسی خلاصہ کی وجہ سے امام بیہقیؒ کی عبارت کا مطلب بالکل برعکس ہو گیا ہے، اس لئے امام بیہقیؒ کی پوری عبارت ہم نے ذکر کی ہے، ان کی عبارت دوبارہ ملاحظہ ہو:

«لم نكتبه إلا بهذا الإسناد فيما أعلم، وقد رُوِّينا القراءة المذكورة فيه عن ابن عمر موقوفا عليه». (۱)

[ترجمہ] "عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث میرے علم کے مطابق صرف اِسی سند کے ساتھ ہم نے لکھی ہے، البتہ یہی مذکورہ قراءت (یعنی سورۃ بقرہ کا شروع و آخر قبر کے پاس پڑھنا) عبد اللہ بن عمرؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔"

کہاں امام بیہقیؒ کی بات! اور کہاں صاحبِ مشکوۃ کا مطلب! دونوں میں بہت فرق ہے، امام بیہقیؒ تو یہ فرما رہے ہیں کہ اس مفہوم سے متعلق عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک دوسری موقوف حدیث بھی ہے، اور وہ حدیثِ عبد الرحمن بن لجلاجؒ ہے، جو پیچھے گذر چکی ہے اور

---

(۱) شعب الإيمان ۱۱/ ۴۷۱-۴۷۲، طبع مكتبة الرشد رياض.

امام بیہقیؒ نے موقوف حدیث اپنی کتاب "السنن الکبری" میں نقل کی ہے، یہاں امام بیہقیؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ روایت امام بیہقیؒ کے حوالے سے پیچھے تفصیل سے گذر چکی ہے، یہ مطلب نہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ لہٰذا یہاں صاحب "مشکوۃ" سے تسامح ہوا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ صاحب "مشکوۃ" بلند پایہ محدث ہیں، تاہم اس کے باوجود ان سے کئی مواقع پر سہو ہوا ہے، چنانچہ مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیرویؒ ان کی دس اغلاط ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"تلك عشرة كاملة، صاحب "مشکوۃ" کی اور بھی کئی اغلاط میرے پیش نظر ہیں مگر میں ان پر اکتفاء کرتا ہوں واللہ تعالی أعلم بالصواب، ہمارے استاذ محترم محقق وقت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر دام مجدھم نے ایک موقع پر دوران درس حدیث فرمایا تھا کہ میں نے صاحب مشکوۃ کے سو (۱۰۰) اغلاط جمع کیے ہیں"۔ (۱)

صاحب "مشکوۃ" کی اتباع میں ان کے بعد کئی علماء نے وہی غلطی دہرائی ہیں، جو صاحب "مشکوۃ" نے کی ہے، "مشکوۃ" کے شارحین: ملا علی قاریؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مولانا عبید اللہ مبارکپوریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، نے بھی اس جگہ کوئی وضاحت نہیں کی۔ (۲)

---

(۱) نور الصباح في ترك رفع اليدين بعد الافتتاح ۱/ ۱۲۲.

(۲) ملاحظہ ہو: [۱] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للملا علي القاري ۳/ .

[۲] لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح (عربي) ٤/ ۳٥٤-۳٥٥،

أشعة اللمعات شرح مشكاة (فارسي) ۱/ ۲۹۷، [۳] التعليق الصبيح=

مولانا گوہر الرحمن کی تصریح:

بندہ نے بہت کوشش کی کہ کسی عالم نے صاحب "مشکوۃ" کی اس غلطی پر تنبیہ کی ہو، لیکن اسکے متعلق کچھ نہیں ملا، ایک دن کسی اور حوالے کے لیے مولانا گوہر الرحمن صاحب کی کتاب "تفہیم المسائل" دیکھ رہا تھا کہ اچانک نگاہ اس پر پڑی، انہوں نے صاحب "مشکوۃ" کی اس غلطی پر تنبیہ کی ہے، ان کی عبارت درج ذیل ہے:

"صاحب "مشکوۃ" نے جو یہ لکھا ہے کہ بیہقی نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ بیہقی نے یہ نہیں کہا ہے کہ یہ موقوف ہے بلکہ مرفوعا نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے یہ روایت موقوفا بھی نقل کی ہے، جیسا کہ میں نے ان کے اصل الفاظ نقل کر دیئے ہیں"۔(١)

مولانا فیصل ندوی کی تصریح:

پھر اللہ تعالی کے فضل سے مولانا فیصل احمد ندوی کی تصریح بھی مل گئی، موصوف اپنی کتاب «الآيات البينات في فضائل الآيات» میں لکھتے ہیں:

= شرح مشكاة المصابيح للكاندهلوي ٣/ [٤] مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للمباركپوري ٥/ ٤٥٤، [٥]مشكوة ترجمه وتحقيق حافظ زبير علي زئي ١/ ٥٥٩، [٦]کتاب الفتاوی، تالیف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، ٣/ ١٩٢

(١) تفہیم المسائل ٦/ ١٨٩، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ٢٠٠٣ء

«هكذا نقل الخطيب التبريزي في «المشكاة» عن البيهقي، وإنما فيه ما ذكرته قبل. فلعل التبريزي استخرجه من قول البيهقي المتقدم».[1]

علامہ سیوطیؒ کی تصریح:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علامہ سیوطیؒ کی عبارت نقل کی جائے جنہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، وہ فرماتے ہیں:

«ومن الوارد في ذلك ماتقدم في باب ما يقال عند الدفن من حديث ابن عمر والعلاء بن اللجلاج مرفوعا كلاهما»[2]

البتہ مولانا فیصل ندوی نے یہ بات پورے وثوق سے ذکر نہیں کی ہے، وہ اس سلسلے میں متردد نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

«هذا الحديث موقوفا على ابن عمر لاريب في ذلك».[3]

---

(١) الآيات البينات في فضائل الآيات ص٦٧ طبع: دارالفيحاء بيروت.

(٢) شرح الصدور ص ١٣٠.

(٣) الآيات البينات ص٤٧.

حدیث ابن عمرؓ کے راویوں کے حالات:

امام طبرانیؒ کی روایت کے مطابق اس حدیث کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

(١)أبو شعيب الحراني (٢) يحيى بن عبدالله البابلتي

(٣) أيوب بن نهيك (٤) عطاء بن أبي رباح

(٥)عبدالله بن عمر

اب ہر ایک کے حالات ملاحظہ ہو:

(١) ابو شعیب حرانیؒ

یہ امام عبداللہ بن حسن بن احمد ابو شعیب حرانی ہیں، ان کی ولادت ۲۰۶ھ اور وفات ۲۹۲ھ ہے، علامہ ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ علامہ دار قطنیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں: «قال الدار قطني: ثقة مأمون».[١]

(٢) یحیی بن عبداللہ بابلتیؒ

یہ ابو سعید یحیی بن عبداللہ بن ضحاک حرانی بابلتیؒ ہیں، ان کی وفات ۲۱۸ھ ہے، متعدد محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے.[٢]

---

(١) تاريخ الإسلام ٥/ ٢٦٥.

(٢) تاريخ الإسلام ٥/ ٦٥٧، تهذيب التهذيب ١١/ ٢١٠، تقريب التهذيب ٢/ ٣٠٧.

(۳) ایوب بن نہیکؒ:

یہ راوی بھی ضعیف ہے، چنانچہ ان کے بارے میں حافظ بن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

«ضعفه أبوحاتم وغيره. وقال الأزدي: متروك. وذكره ابن حبان في «ثقاته»: يروى عن عطاء والشعبي. روى عنه مبشر بن إسماعيل وكان مولى سعد بن أبي وقاص، من أهل حلب، يعتبر بحديثه من غير رواية أبي قتادة الحراني عنه. وقال ابن أبي خاتم: من أهل حلب. سمعت أبازرعة يقول: هو منكر الحديث، ولم يقرأ علينا حديثه». [1]

علامہ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

«امتنع أبوزرعة من رواية حديثه تورعاً. وقال أبوحاتم: ضعيف». [2]

(۴) عطاء بن ابی رباحؒ:

یہ مشہور تابعی ہیں، ان کا نام اسلم القرشی تھا، یہ ثقہ تھے۔ [3]

حدیث ابن عمرؓ کا اسنادی حکم:

یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، کیونکہ اس میں یحیٰی بن عبد اللہ بابلتی، اور ایوب بن نہیک راوی ضعیف ہیں، پیچھے علامہ ہیثمیؒ کے حوالے سے گذرا ہے، انہوں نے بھی اس روایت کو

---

(۱) لسان المیزان ۱/ ۷٦۰.

(۲) تاریخ الإسلام ٤/ ۳٥٤.

(۳) ملاحظہ ہو: «تہذیب التہذیب» ۷/ ۱۸۳، «تقریب التہذیب» ۱/ ٦۷٥.

ضعیف قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کے حوالے سے پیچھے گذر گیا ہے، انہوں نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ ضعف شدید نہیں، اس لئے یہ روایت صحیح کے درجہ سے کم ہے، اور حسن درجہ کا ہے۔ اور یا یہ وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیثِ لجلاجؓ کو اس کے لیے متابع اور شاہد بنایا ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے اس کا درجہ ضعف سے نکل کر حسن تک آگیا۔

قبرستان میں مطلق تلاوت قرآن کے جواز کی احادیث

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان احادیث کا ایک جائزہ پیش کیا جائے، جن میں قبرستان میں مطلق تلاوت قرآن کے جواز کا ذکر ہے، تاکہ لگے ہاتھوں ان کا حکم بھی قارئین کے سامنے آجائے، ان میں تمام احادیث سے ہمارا مقصود استدلال نہیں ہے۔

[۱] پہلی روایت: مردے کے پاس سورت [یس] کی تلاوت کرنا

«عن معقل بن يسار رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ: اقرأوا يٰس على موتاكم». (١)

[ترجمہ]: "حضور ﷺ نے فرمایا: مردوں کے پاس سورت یٰس پڑھا کرو"

حدیث کا اسنادی حکم:

اس حدیث کو علامہ البانیؒ نے ضعیف کہاہے، لیکن علامہ محمود سعید ممدوح مدظلہ نے علامہ البانیؒ پر اس سلسلے میں رد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ حدیث "حسن" درجے کی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حبانؒ اور علامہ سیوطیؒ نے اس کو صحیح کہا ہے، جبکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے، اور علامہ منذریؒ نے اس کو حسن کہاہے۔ اس کے بعد علامہ محمود سعید ممدوح نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس حدیث کے رجال اور اس کے توابع وشواہد پر روشنی ڈالی ہے، ان کی پوری عبارت یہاں ذکر کی جاتی ہے:

---

(١) رواه الإمام أحمد في «مسنده» ١٥/ ١٧٢، وأبوداود في «السنن» ٣/ ١٩١، والنسائي في «عمل اليوم والليلة» ص ٥٨١ [١٠٧٤]، وابن ماجه ١/ ٤٦٥ [١٤٤٨].

«(٦٢٦) حديث ابن المبارك، عن سليمان التيمي، عن أبي عثمان - وليس بالنهدي- عن أبيه، عن معقل بن يسار، قال: قال النبي ﷺ: «اقرؤوا {يس} على موتاكم».

ذكره في «ضعيف أبي داود» (٣١٦/ ٦٨٣)، وفي «ضعيف ابن ماجه» (١٠٨/ ٣٠٨).

وقال في «إروائه» بعد أن انفصل عن ضعفه (٣/ ١٥١): «للحديث علة أخرى قادحة أفصح عنها الذهبي نفسه في «الميزان» فقال في ترجمة أبي عثمان هذا: «عن أبيه عن أنس، لايعرف، قال ابن المديني: لم يرو عنه غير سليمان التيمي.

قلت: أما النهدي فثقة إمام.

قلت: وتمام كلام ابن المديني: «وهو مجهول»، وأما ابن حبان فذكره في «الثقات» (٢/ ٣٢٦) على قاعدته في تعديل المجهولين.

ثم إن في الحديث علة أخرى وهي الاضطراب فبعض الرواة يقول: «عن أبي عثمان عن أبيه عن معقل» وبعضهم: «عن أبي عثمان عن معقل» لايقول: «عن أبيه» وأبوه غيرمعروف أيضا! فهذه ثلاث علل: ١-جهالة أبي عثمان. ٢- جهالة أبيه.٣- الاضطراب». انتهى كلام الألباني.

قال العبد الضعيف: الحديث حسن، وقد صحّحه ابن حبان (الإحسان رقم: ٣٠٠٢)، والسيوطي، وسكت عليه الحاكم

(١/ ٥٦٥) والذهبي، وقال المنذري في «تخريج أحاديث المهذب»: حديث حسن، كذا في «البدر المنير» (٤/ ل٢٢٧/ أ).

فسليمان بن طرخان التيمي ذكره الحافظ ابن حجر في «التقريب» (٢٥٧٥) في الطبقة الرابعة أى أنه تابعى أدرك عدداً من الصحابة، في أغلب على الظن أن شيخه أبا عثمان من طبقة كبار التابعين، وقد ذكره ابن حبان في «الثقات» (٧/ ٦٦٤) وصحح له، وروى عنه ثقة هو سليمان التيمي، فالميل لقبول حديثه متجه قوى.

وأما أبوه فهو مخضرم أدرك الجاهلية، أو صحابي، ولذلك صحح الحديث ابن حبان، ثم السيوطى، مع ملاحظة أن ابن حبان روى الحديث عن سليمان التيمى، عن أبى عثمان، عن معقل بن يسار به مرفوعا، فلم يقل: عن أبي عثمان، عن أبيه.

ومع ذلك فللحديث شواهد:

١- أخرج أحمد في «المسند» (٤/ ١٠٥) حدثنا أبو المغيرة، ثنا صفوان، حدثني المشيخة أنهم حضروا غضيب بن الحارث الثمالى حين اشتد سوقه، فقال: هل منكم من أحد يقرأ (يس)، قال: فقرأها صالح بن شريح السكوني، فلما بلغ أربعين منها قبض، قال: فكان المشيخة يقولون: إذا قرئت عند الميت خفف عنه بها، قال صفوان: وقرأها عيسى بن المعتمر عند ابن معبد.

وأخرجه ابن سعد في «الطبقات» (٧/ ٤٤٣) في ترجمة غضيف بن الحارث من طريق صفوان به.

وهذا الإسناد رجاله ثقات، وقد حسَّن هذا الإسناد الحافظ ابن حجر في «الإصابة» (٣/ ١٨٤)، وصفوان هو ابن عمر والسكسكي، وشيوخه جماعة من التابعين يجبر بعضهم بعضا، وغضيف بن الحارث الثمالي - رضى الله عنه- صحابى، وطلبه قراءة سورة يس عند احتضاره يحتاج لتوقيف وليس للرأى فيه مجال، فحكمه الرفع على ما هو مقرر في قواعد الحديث.

أما قول المشيخة: «إذا قرئت عند الميت خفف عنه بها»

فالمشيخة هنا جماعة من التابعين، وكلامهم حكمه حكم الإرسال عند طائفة من المحدثين.

ولأثر غضيف بن الحارث الثمالي طريق آخر أخرجه ابن عساكر في «تاريخ دمشق» (١٤/ ل٧٠/ أ) من حديث سعيد بن منصور، حدثنا فرج بن فضالة، عن أسد بن وداعة قال: لماحضرغضيف بن الحارث الموت، حضر إخوته فقال: هل فيكم من يقرأ سورة يس؟ فقال رجل من القوم: نعم. فقال: اقرأ ورتل وانصتوا، فقرأ ورتل وأسمع القوم فلما بلغ (فسبحان الذي بيده ملكوت كل شيء وإليه ترجعون) فخرجت نفسه، قال أسد بن وداعة: فمن حضره منكم الموت فشدد عليه الموت فليقرأ عليه (يس) فإنه يخفف عليه الموت.

سعيد بن منصور إمام حافظ ثقة، وشيخه فرج بن فضالة بن النعمان التنوخي الشامي ضعيف.

وأسد بن وداعة هو الشامى الناصبى، وعليه ثناء في ترجمته في «التاريخ الكبير» (٢/ ٥٠)، وذكره ابن حبان في ثقات التابعين (٤/ ٦٥).

فضعف إسناد ابن عساكر ينجبر بإسناد أحمد وابن سعد ورجاله ثقات وحسنه الحافظ ابن حجر في «الإصابة» كما تقدم.

ولما كان أسد بن وداعة تابعيا فكلامه ينزل منزلة المرسل كما تقدم نظيره.

٢- وأخرج ابن أبي عمر في «مسنده»: حدثنا عبدالمجيد بن أبي رواد، عن مروان بن سالم، عن صفوان بن عمرو، عن شريح بن عبيد، عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ما من ميت يموت ويقرأ عنده «يس» إلا هون الله تعالى».

كذا في النسخة المسندة من «المطالب العالية» (١/ ٣١٥/ ٨٠٦)، وهو في «الفردوس» بنفس الإسناد (٦٠٩٩)، لكن عن أبي الدرداء وأبي ذر رضى الله عنهما.

وقال الحافظ البوصيرى في «مختصر الاتحاف» (٣/ ٩٩/ ٢١٥٦): «رواه الحارث بسند ضعيف لضعف مروان بن سالم الجزرى، وله

شاهد من حديث معقل بن يسار، رواه أصحاب «السنن» وابن حبان في «صحيحه».

ومروان بن سالم ضعيف، بل متروك عند بعضهم، لكن قال ابن أبي حاتم الرازي عن أبيه: منكرالحديث جدا، ضعيف الحديث، ليس له حديث قائم، قلت: يترك حديثه؟ قال: لا، يكتب حديثه. راجع «الجرح والتعديل» (٨/ ت١٢٥٥).

فالرجل ضعف بسبب روايته المنكرات، فماعرف أنه لم يغرب ولم ينكر فيه فيمكن الاعتبار به، ولذلك استشهد بالرجل الحافظ البوصيري.

وفي الباب عن أبي ذر رضي الله عنه، عَزْوه لأبي الشيخ في «فضائل القرآن» ولم أقف عليه.

وأنت إذا أمعنت النظر في الطرق المتقدمة تجد أن حديث معقل بن يسار صححه ابن حبان والسيوطي وحسنه المنذري، إذاكان فيه بعض خلل على رأي آخرين فهو ينجبر بالشاهد الأول.

وله طريقان: أحدهما صحيح أوحسن، والآخر ضعيف، وهذا وحده كاف لتقوية حديث معقل بن يسار، بحيث يمكن أن تستغنى

عن الشاهد الثاني، ولا غناء عنه بعد استشهاد الحافظ البوصيري به، والحاصل أن الحديث حسن، والله أعلم بالصواب». [1]

حدیث کی تشریح علامہ ابن حبانؒ سے:

علامہ ابن حبانؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مردے سے مراد وہ شخص ہے جو نزع کی حالت میں ہو، وہ مراد نہیں جس کی وفات واقع ہوگئی ہو۔ [2]

علامہ طبریؒ اور حافظ ابن حجرؒ سے:

لیکن علامہ محب الدین طبریؒ نے ان پر رد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ دونوں کے لیے مفید ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

«قال أبو حاتم: اقرأوا على موتاكم يس. أراد من حضرته المنية، لا أن الميت يقرأ عليه، وكذلك لقنوا موتاكم لا إله إلا الله، قلت: أما قوله في التلقين فمسلَّمٌ وأما في قراءة يس فذلك نافع للمحتضر والميت». [3]

---

(۱) التعريف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح وضعيف ٥/ ٣٦-٤٠. ويلاحظ أيضا: كشف الستور ص٢٣٤-٢٣٦.

(۲) صحيح ابن حبان ٧/ ٢٧١.

(۳) غاية الإحكام في أحاديث الأحكام ٣/ ٣٨١.

حافظ ابن حجرؒ نے بھی علامہ ابن حبانؒ پر رد کے سلسلہ میں علامہ محب الدین طبریؒ کا حوالہ دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

«قال ابن حبان في «صحيحه» عقب حديث معقل قوله: اقرأوا على موتاكم يس. أراد به من حضرته المنية، لا أن الميت يقرأ عليه، وكذلك لقنوا موتاكم لا إله إلا الله، وردّه المحب الطبري في «الإحكام» وغيره في القراءة وسلّم له في التلقين».[1]

علامہ صنعانیؒ سے:

اور علامہ صنعانیؒ نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہ حکم میت کو بھی شامل ہے، جس کی موت واقع ہو گئی ہو، بلکہ حقیقی معنی یہی ہے، وہ فرماتے ہیں:

«وأخرج أبوداود من حديث معقل بن يسار، عنه ﷺ: اقرأوا على موتاكم سورة يس، وهو شامل للميت بل هو الحقيقة فيه».[2]

☆☆☆

[۲] دوسری حدیث: قبرستان میں سورت {یس} پڑھنا:

«من دخل المقابر فقرأ سورة {يس} خفف عنهم يومئذ، وكان له بعدد من فيها حسنات».[1]

---

(١) التلخيص الحبير ٣/ ١١٥٦.

(٢) سبل السلام ٢/ ٣٣٨.

[ترجمہ]: "جو قبرستان میں داخل ہو جائے... سورت یٰس کی تلاوت کرے، تو مردوں کا عذاب اس سے کم ہو تاہے، اور مردوں کی تعداد کے بقدر اس کو نیکیاں ملتی ہیں"۔

حدیث کا اسنادی حکم:

علامہ سخاوی اس حدیث کی تخریج میں تحریر فرماتے ہیں: کہ مجھے اس کی کوئی سند نہیں ملی، البتہ میرے گمان کے مطابق یہ حدیث صحیح نہیں۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

«وأما الحديث الثاني، فقد ذكره القرطبي أيضا، لكن بلاعزو، وعزاه للطبراني عن أنس، إلا أنني لم أظفر به إلى الآن. وهو في «الشافي» لأبي بكر عبدالعزيز صاحب الخلال الحنبلي، كماعزاه إليه المقدسي، وأحسبه لايصح». [۲]

اس حدیث کی جو سند "تفسیر امام ثعلبیؒ" میں ہے، وہ بھی موضوع ہے، چنانچہ علامہ البانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

«من دخل المقابر، فقرأ سورة {يس} خفف عنهم يومئذ، وكان له بعدد من فيها حسنات.

---

(۱) تفسير الثعلبي ۳/ ۱٦۱/ ۲، التذكار في أفضل الأذكار للقرطبي ص ۲۷٦.

(۲) الأجوبة المرضية للسخاوي ۱/ ۱۷۰.

موضوع أخرجه الثعلبي في «تفسيره» (٢/ ١٦١/ ٣) من طريق محمد بن أحمد الرياحي، حدثنا أبي، حدثنا أيوب بن مدرك عن أبي عبيدة عن الحسن عن أنس بن مالك مرفوعا.

قلت: وهذا إسناد مظلم هالك مسلسل بالعلل: الأولى: أبو عبيدة.

قال ابن معين: «مجهول». الثانية: أيوب بن مدرك متفق على ضعفه وتركه، بل قال ابن معين: كذاب. وفي رواية: كان يكذب. وقال ابن حبان: «وأما ابنه محمد، فصدوق. له ترجمة في «تاريخ بغداد» (١/ ٣٧٢).

وقال الحافظ السخاوي في «الفتاوى الحديثية» (ق١/ ١٩): رواه أبوبكر عبدالعزيز صاحب الخلال بإسناده عن أنس مرفوعا. كما في جزء وصول القراءة إلى الميت للشيخ محمد بن إبراهيم المقدسي، وقدذكره القرطبي، وعزاه للطبراني عن أنس، إلا أنني لم أظفر به إلى الآن. وهو في «الشافي» لأبي بكر عبدالعزيز صاحب الخلال الحنبلي كما عزاه إليه المقدسي، وأظنه لايصح».

قلت: لووقف على إسناده لجزم بعدم صحته، فالحمد لله الذى أوقفنا عليه، حتى استطعنا الكشف عن علته. فلله الحمد والمنة.[1]

---

(١) الأجوبة المرضية للسخاوي ١/ ١٧٠.

☆☆☆

[٣] تیسری حدیث: والدین کے قبروں کے پاس سورت {یس} پڑھنا:

«من زار قبر والديه كلَّ جمعة فقرأ عندهما أو عنده {يس} غفر له بعدد كل آية أو حرف».

[ترجمہ] "جو ہر جمعہ کے دن اپنے والدین یا ان میں سے ایک کے قبر کے پاس سورۃ یس پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلے اس کی مغفرت فرماتے ہیں۔"

حدیث کا اسنادی حکم:

یہ حدیث علامہ ابن عدیؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

«حدثنا محمد بن الضحاك بن عمرو بن أبي عاصم النبيل، ثنا يزيد بن خالد الأصبهاني، ثنا عمرو بن زياد، ثنا يحيى بن سليم الطائفي عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه، سمعت رسول الله ﷺ يقول: من زار قبر والديه أو أحدهما يوم الجمعة فقرأ {يس} غفر له.

وهذا الحديث بهذا الإسناد باطل ليس له أصل، ولعمرو بن زياد غير هذا من الحديث، منها سرقة يسرقها من الثقات ومنها موضوعات، وكان هو يتهم بالوضع». (١)

---

(١) الكامل لابن عدي ٥/ ١٥٢.

علامہ ابوالشیخ اصبہانیؒ نے بھی اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: «من زار قبر والديه في كل جمعة فقرأ عندهما أو عنده {يس} غفرله بعدد ذلك آية أو حرفا». [1]

علامہ ابن الجوزیؒ نے یہ روایت اپنی کتاب "الموضوعات" میں ذکر کی ہے، اور علامہ ابن عدیؒ کی جرح نقل کی ہے۔ [2]

لیکن علامہ سیوطیؒ نے علامہ ابن الجوزیؒ پر رد کیا ہے کہ یہ روایت موضوع نہیں، کیونکہ اس کے لیے شاہد موجود ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

«قلت: له شاهد، أخرجه الطبراني في «الأوسط» من طريق عبدالكريم بن أبي أمية، وهو ضعيف، عن مجاهد، عن أبي هريرة مرفوعا: من زار قبر أبويه أو أحدهما كل يوم جمعة غفرله وكتب برا، وأخرجه البيهقي بهذا اللفظ من مرسل محمد بن نعمان». [3]

لیکن علامہ سیوطیؒ پر اس سلسلے میں علامہ احمد بن صدیق غماریؒ متوفی [۱۳۸۰ھ] نے رد کیا ہے کہ یہ شاہد اور متابع نہیں بن سکتا اس لیے کہ شواہد اور متابعت کے لیے

---

(۱) طبقات المحدثين بأصبهان ۳/ ۱۰۲.

(۲) ملاحظہ ہو: «الموضوعات» ۳/ ۲٤۰.

(۳) النكت البديعات على الموضوعات ص۱۵۳-۱۵٤.

ضروری ہے کہ ان روایات میں ضعف شدید درجہ کا نہ ہو، جبکہ ان میں ضعف شدید درجے کا ہے۔[1]

اور علامہ سخاویؒ اس حدیث کی تخریج میں تحریر فرماتے ہیں:

«وأما الحديث الثالث: فقد ذكره صاحب الخلال في «الشافي» أيضا، وأخرجه أبوالشيخ بن حيان في «ثواب الأعمال» وابن عدي في «كامله» كلاهما من طريق عمرو بن زياد الداري عن يحيى بن سليم الطائي، عن هشام عن أبيه عن عائشة عن أبي بكر الصديق فذكره بلفظ: «من زار قبر والديه أو أحدهما كل جمعة فقرأ عندهما يس والقرآن الكريم، غفرله بعدد كل آية أوحرف». وهو عند الديلمي في «مسندالفردوس» له، من طريق أبي الشيخ، وقال ابن عدي: إنه بهذا الإسناد باطل ليس له أصل، وكان عمرو يتهم بوضع الحديث، وقد ذكره لذلك في «الموضوعات» ابن الجوزي. وله شاهد عند الطبراني في «الأوسط» و«الصغير» من حديث أبي هريرة بلفظ: من زار قبر أبويه أو أحدهما كل جمعة غفرله وكتب باراً. في سنده عبدالكريم أبوأمية وهو ضعيف، وأخرجه ابن الجوزي في «الموضوعات» من طريق الدارقطني بسنده إلى ابن عمر عن نافع عن ابن عمر رفعه: «من زارقبرأبيه أوقبر أمه أوقبر أحد من قرابته كتب له كحجة مبرورة ومن كان زوارا لهم

---

(۱) ملاحظہ ہو تفصیل کے لیے ان کی کتاب: "المداوي لعلل الجامع الصغير وشرحي المناوی" ٦/ ٢٩١-٢٩٣، قاعدة جليلة في المتابعات والشواهد.

حتى يموت زارت الملائكة قبره». وهو كذلك بنحوه عند أبي الشيخ ابن حيان في «الثواب» له وابن عدي في «كامله» ومن طريقه أخرجه ابن الجوزي في «الموضوعات» أيضا، وأخرجه أبومنصور الديلمي في «مسنده» بهذا السند أيضا، لكن بلفظ: «من زار قبر والديه أو أحدهما يوم الجمعة كان كحجة. والله أعلم». [١]

☆☆☆

[۴] چوتھی حدیث: قبرستان میں گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا

«من مر بالمقابر فقرأ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات».

[ترجمہ] "جو قبرستان سے گذرے، اور گیارہ مرتبہ سورت ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ کی تلاوت کرے، پھر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے، اس کو مردوں کی تعداد کے بقدر نیکیاں ملتی ہیں"۔

حدیث کا اسنادی حکم:

«قال الحسن الخلال: حدثنا أحمد بن إبراهيم بن شاذان، ثنا عبدالله بن عامر الطائي، حدثني أبي، ثنا علي بن موسى، عن أبيه موسى، عن أبيه جعفر عن أبيه محمد، عن أبيه علي، عن أبيه الحسين، عن أبيه علي بن أبي طالب قال قال رسول الله ﷺ: من مر بالمقابر وقرأ

---

(١) الأجوبة المرضية للسخاوي ١/ ١٧١-١٧٢.

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات».[1]

اس حدیث کی مذکورہ بالا سند میں عبداللہ بن عامر طائی اور ان کے والد عامر کذاب ہیں، جس کی وجہ سے یہ حدیث موضوع کے درجے میں آجاتی ہے لہٰذا یہ سند قابل قبول نہیں، جب تک کہ کوئی مقبول سند نہیں ملتی کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے، چنانچہ علامہ سخاوی اس حدیث کی تخریج میں تحریر فرماتے ہیں:

«فأجبت: قد وقفت على الجزء المشار إليه ورأيت فيه من الزيادة على ما هنا عزو الحديث الأول والثاني إلى النجاد، وقد ذكر القرطبي في تذكرتها لحديث الأول وعزاه لتخريج السلفي. وأسنده صاحب «مسندالفردوس» أيضا كلاهما من طريق عبدالله بن أحمد بن عامر الطائي عن أبيه عن علي، فذكره، لكن عبدالله وأبوه كذابان، ولو أن لهذا الحديث أصلا لكان حجة في موضع النزاع ولارتفع الخلاف، ويمكن أن تخريج الدارقطني له في «الأفراد» لأنه لاوجود في «سننه». والله أعلم».[2]

---

(۱) فضائل سورة الإخلاص ۱/ ٥٤، وأخرجه الرافعي في «التدوين في أخبار قزوين» ۲/ ۲۹۷ بنفس السند، ونقل عنه في «كشف الخفاء ومزيل الإلباس» ۲/ ۲۸۲.

(۲) الأجوبة المرضية ۱/ ۱٦۹-۱۷۰.

☆☆☆

[۵] پانچویں حدیث: قبرستان میں سورت فاتحہ، سورت اخلاص اور سورت تکاثر پڑھنا

«أخرج أبو القاسم سعد بن علي الزنجاني في «فوائده» عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: من دخل المقابر ثم قرأ ﴿فاتحة الكتاب﴾، و﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ و ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾، ثم قال: إني جعلت ثواب ماقرأتُ من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات،كانوا شفعاء إلى الله تعالى». [۱]

[ترجمہ]: ”حضور ﷺ نے فرمایا: جو قبرستان جائے اور وہاں سورت فاتحہ، سورت اخلاص اور سورت تکاثر پڑھے، اوراس کے بعد یہ کہے کہ میں اس کلام اللہ کے ثواب کو قبرستان کے تمام ایمان والوں مردوں اور عورتوں کو بخشتا ہوں، تو یہ تمام لوگ قیامت کے دن اس کی اللہ کے ہاں شفاعت کریں گے“۔

یہ روایت علامہ زنجانیؒ نے اپنی کتاب ”الفوائد“ میں نقل کی ہے، علامہ زنجانیؒ سے مراد علامہ سعد بن علی بن محمد زنجانیؒ ہے، جن کی ولادت ۳۸۰ھ ہے، اوروفات ۴۷۱ھ ہے۔ یہ حفاظ حدیث میں سے تھے، اسی وجہ سے علامہ ذہبیؒ نے ان کا تذکرہ اپنی کتاب ”تذکرۃ الحفاظ“ میں کیا ہے، اور علامہ ذہبیؒ نے ”سیر أعلام النبلاء“ میں

---

(۱) شرح الصدور للسيوطي ص ۱۳۰ ومرقاة المفاتيح للقاري ٤/ ۱۷۳.

ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: «الإمام العلامة الحافظ القدوة العابد شيخ الحرم».[1]

علامہ زنجانیؒ نے جس سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے، معلوم نہیں وہ کس درجے کی ہے کیونکہ وہ ہمارے سامنے نہیں۔ جبکہ علامہ سیوطی اور ملا علی قاریؒ نے اس کی سند نقل نہیں کی۔

☆☆☆

[٦] چھٹی حدیث: انصار صحابہ کرام قبر کے پاس سورت بقرہ پڑھتے تھے:

«أخبرنا أبو يحيى الناقد، قال: حدثنا سفيان بن وكيع، قال: حدثنا حفص، عن مجالد، عن الشعبي، قال: «كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرءون عنده القرآن».[2]

[ترجمہ] "حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ انصار صحابہ کرام کے ہاں جب کوئی فوت ہو جاتا، تو وہ اس کے قبر کے پاس آتے تھے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے"۔

اور "مصنف ابن أبي شيبة" میں اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں، ملاحظہ ہو:

حدثنا حفص بن غياث عن مجالد عن الشعبي، قال: «كانت الأنصار يقرءون عند الميت بسورة البقرة».[1]

---

(١) سير أعلام النبلاء ١٨/ ٢٨٥.

(٢) القراءة عند القبور للخلال ص٨٩.

جس کا ترجمہ ہے: "کہ انصار صحابہ کرام میت کے پاس سورت بقرہ پڑھتے تھے" علامہ البانیؒ نے اسی بنا پر اس روایت کے بارے میں لکھا ہے، کہ اس سے قبر کے پاس قرآن کا جواز ثابت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ "مصنف ابن أبي شيبة" کی اس روایت میں میت کا ذکر ہے، قبر کا ذکر نہیں، اور علامہ ابن ابی شیبہؒ نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزع کی حالت میں میت کے پاس کیا پڑھنا چاہیے؟ نیز اس روایت کی سند بھی ضعیف ہے، کیونکہ مجالد راوی ضعیف ہے، علامہ البانیؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

«ومثل هذا الأثر ما ذكره ابن القيم أيضا [١٤]: وذكر الخلال عن الشعبي، قال: «كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرءون القرآن» فنحن في شك من ثبوت ذلك عن الشعبي بهذا اللفظ خاصة، فقد رأيت السيوطي قدأورده في «شرح الصدور» [١٥] بلفظ: «كانت الأنصار يقرءون عند الميت سورة البقرة». قال: «رواه ابن أبي شيبة والمروزي، أورده في باب ما يقول الإنسان في مرض الموت، ومايقرأ عنده» ثم رأيته في «المصنف» لابن أبي شيبة [٤/ ٧٤] وترجم له بقوله: باب ما يقال عند المريض إذا حضر» فتبين أن في سنده مجالدا وهو ابن أبي سعيد، قال الحافظ في «التقريب»: «ليس بالقوي، وقد تغير

---

(١) المصنف لابن أبي شيبة ٣/ ١٢٣ باب مايقال عندالمريض إذاحضر.

حفظه في آخر عمره»، فظهر بهذا أن الأثر ليس في القراءة عند القبر، بل عند الاحتضار، ثم هو على ذلك ضعيف الإسناد».[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ "مصنف ابن ابی شیبة" کی روایت اور امام خلالؒ کی روایت کے الفاظ کچھ زیادہ ہی مختلف نہیں ہیں، کہ ان میں کوئی تضاد ہو، کیونکہ "مصنف ابن ابی شیبہ" کی روایت میں اختصار ہے اور امام خلالؒ کی روایت میں تفصیل اور صراحت ہے، اور چونکہ میت کا اطلاق قریب الموت اور مردے دونوں پر ہوتا ہے، لہٰذا علامہ ابن ابی شیبہؒ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے کہ نزع کی حالت میں میت کے پاس کیا پڑھنا چاہیے؟

باقی رہی یہ بات کہ یہ روایت ضعیف ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے تاہم اس سے ایک ثابت شدہ امر کی توثیق ہوتی ہے، قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جواز ثابت ہے۔ پھر خاص طور سے اس روایت میں یہ ہے کہ انصار صحابہ کرام میت کی قبر کے پاس سورۃ بقرہ کی تلاوت کرتے تھے، اور پیچھے تفصیل کے ساتھ وہ احادیث گذر چکی ہیں، جن میں دو مرفوع حدیثیں ہیں، اور ایک موقوف حدیث ہے جس میں قبر کے پاس سورۃ بقرہ پڑھنے کے جواز کا تذکرہ ہے، گویا اس کے نتیجے میں صحابہ کرام میں اس کے پڑھنے کا خاص اہتمام تھا، لہٰذا اگرچہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، تاہم گذشتہ احادیث سے اس کو تقویت ضرور حاصل ہوتی ہے۔

وقال العلامة محمود سعيد ممدوح:

---

(١) أحكام الجنائز ص ١٩٣.

"وفي إسناده مجالد بن سعيد، وهو صالح في المتابعات والشواهد، وأخرج له مسلم في صحيحه مقروناً بغيره في كتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لانفقة لها. وهذا أثر، وهم يتساهلون في مثل هذه الأسانيد، وعامر بن شراحيل أدرك الكثيرين من أكابر الصحابة رضي الله عنهم، وقال العجلي: وسمع ثمانية وأربعين من الصحابة، وعليه فقول الشعبي: "كانت الأنصار... " يحتمل أن يكونوا جمهرة من الصحابة والتابعين. والله أعلم بالصواب". [١]

وقال العلامة الغماري: "وقال الخرائطي في "كتاب القبور": سنةٌ في الأنصار، إذا حملوا الميت أن يقرأوا معه سورة البقرة". [٢]

☆☆☆

[٧-٨] ساتویں، آٹھویں حدیث:

تین ڈھیلوں پر سورۂ اخلاص یا سورۂ قدر پڑھ کر میت کے سرہانے رکھنا:

"فتاوی امداد الاحکام" میں ایک سوال وجواب میں دو احادیث کا ذکر ہے،

پہلی حدیث:

---

(١) كشف الستور ص٢٣٨-٢٣٩.

(٢) إتقان الصنعة ص١١٤.

«أخرج الحاكم عن أنس بن مالك أنه قال قال رسول الله ﷺ: من أخذ سبعة حصاة أو مدر يقرأ على كل واحد ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ثلاثا ثم يضعها جانب رأس الميت ينجه الله تعالى من عذاب القبر الخ»

اور دوسری حدیث:

«من أخذ من تراب القبر بيده وقرأ عليه ﴿سُورَةُ الْقَدْرِ﴾ سبعا وتركه في القبر لم يعذب صاحب القبر».

لیکن چونکہ ان دونوں روایات کی کوئی سند نہیں ملی، اس لیے ان پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، اور جب تک کہ ان کی سند کا علم نہیں ہو جاتا، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "فتاویٰ امداد الاحکام" کا سوال وجواب بعینہ پیش کیا جائے۔

"سوال: بعد سلام مسنون کے عرض یہ ہے کہ آنجناب جس وقت ضلع سورت میں موضع دراچھ میں تشریف لائے تھے، اس وقت ہم خادمان آنجناب کی ملاقات کے لیے آئے تھے، اور جس وقت آپ ڈابھیل جارہے تھے، اس وقت آپ سے یہ سوال کیا تھا، کہ میت کے سرہانے قل کے ڈھیلے رکھتے ہیں، سورت اخلاص تین بار یاسات بار پڑھ کر ڈھیلے پر دم کرتے ہیں، اور میت کے سیدھے بازو پر رکھتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا تھا کہ اس کی کچھ اصل نہیں ہے، جناب نے آپ کے قول کو میں برابر قبول کرتا ہوں، کوئی بھی تحریر آپ کے نام کی ہوتی ہے اس کو بصدق دل قبول کرتا ہوں، مگر جناب میں نے کتاب تصریح الاثق ترجمہ شرح برزخ ص ۱۷۷ میں یہ حدیث لکھی ہوئی

دیکھی ہے، تو آیا یہ حدیث قابل اعتبار ہے یا نہیں؟ کیونکہ حدیث کا پہچاننا آپ کا ہی کام ہے۔

«أخرج الحاكم عن أنس بن مالك أنه قال قال رسول الله ﷺ: من أخذ سبعة حصاة أو مدر يقرأ على كل واحد ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ثلاثا ثم يضعها جانب رأس الميت ينجه الله تعالى من عذاب القبر الخ»

تو جناب آپ نے «مستدرک حاکم» کی یہ حدیث دیکھی ہے یا نہیں؟ ہمارے مرشد مولانا حاجی مولوی محمد الدین صاحب مجددی بھر دہی کے پاس یہ کتاب ہے، مگر تھوڑی مدت کے لیے حیدر آباد دکن سے آئی ہے، مگر جلد نمبر ا نہیں آئی، اس واسطے اس میں دیکھنے کا موقع نہیں ــــــ مولانا صاحب آنجناب ملاقات کے واسطے آنے کا قصد کرتے تھے، مگر بیماری اس وقت مکان میں زیادہ تھی، جناب یہ خلاصہ اچھی طرح کوشش کر کے کر دیں؟»۔

الجواب:

«مستدرک حاکم» جلد اول ہمارے پاس ہے، اس میں «كتاب الجنائز» و «كتاب فضائل القرآن» موجود ہے، یہ حدیث اس میں کہیں نہیں ملی، «کنز العمال» میں بھی مختلف مقامات میں تلاش کیا، مگر کہیں یہ حدیث نظر سے نہیں گذری، ہاں «طحطاوی حاشیة مراقي الفلاح» میں یہ لکھا ہے: «وفي كتاب

النورين:[1] «من أخذ من تراب القبر بيده وقرأ عليه ﴿سُورَةُ ٱلْقَدْرِ﴾ سبعا وتركه في القبر لم يعذب صاحب القبر»، ذكره السيد الخ [ج۱/ ۳۵٦]».

اور "أوائل سورة البقره وأواخرها" کا قبر میں مردے کے سرہانے کی طرف اور پیروں کی طرف پڑھنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، ذکره في «شرح الصدور». ۱۱شعبان ۱۳۴۲ھ " [2]

☆☆☆

[۹] نویں حدیث: قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے آیت: ﴿مِنْهَا خَلَقْنَٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ﴾ پڑھنا

حضور ﷺ سے ایک حدیث میں یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثومؓ کے قبر میں رکھنے کے بعد قرآن کی یہ آیتیں تلاوت فرمائی: ﴿مِنْهَا خَلَقْنَٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ﴾۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قبر کے سرہانے تین دفعہ مٹی ڈالی، یہ دونوں حدیثیں ملاحظہ ہو۔

حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) "كتاب النورين في إصلاح الدارين" ابو حامد محمد بن عبد الرحمن بن عمر حبشی یمنی شافعی متوفی ۷۸۶ھ کی کتاب ہے، ملاحظہ ہو: [إيضاح المكنون ۲/ ٦٨٩].

(۲) امداد الاحکام ۱/ ۲۸۷-۲۸۳۔

«وعن أبي أمامة رواه الحاكم أيضا والبيهقي، وسنده ضعيف، ولفظه ﷺ: ﴿ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ﴾، بسم الله وفي سبيل الله وعلى ملة رسول الله. الحديث». [۱]

اور دوسری روایت «سنن ابن ماجه» میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ صلى على جنازة ثم أتى القبر فحثى عليه من قبل رأسه ثلاثا. [۲]

علامہ نوویؒ اپنی کتاب "خلاصة الأحكام" (۲/ ۱۰۱۹) میں اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے اور اس کا ایک شاہد بھی ہے، ان کے الفاظ ہیں:

«رواه ابن ماجه بإسناد جيد، وله شاهد ضعيف عند البيهقي من حديث عامر بن ربيعة، وذكر له شاهدا آخر من حديث جعفر بن محمد، عن أبيه مرسلا». [۳] ☆☆☆

---

(۱) التلخيص الحبير ٤/ ۱۲۳۱. اس روایت کے لئے ملاحظہ ہو: «مستدرك حاكم» ۲/ ۳۷۹، «السنن الكبرى» ۳/ ٤٠٩.

(۲) سنن ابن ماجه حديث نمبر: ۱۵٦۵ كتاب الجنائز، باب ما جاء في حثو التراب في القبر.

(۳) بحوالہ: ردالمحتار طبع جديد، تعليق الفرفور ۵/ ۳۳۷.

قبرستان میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کی حدیث

اس بحث کے سلسلے میں مطالعہ کے دوران بندہ کو کوئی حدیث یا روایت ایسی نہیں ملی کہ جس میں قبرستان یا قبر کے پاس قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہو، اور اس مذہب کے حامی حضرات نے اس سلسلے میں کوئی ایسی حدیث وروایت پیش کی ہے، البتہ ایک غیر صریح روایت سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے، اور یہ ہے:

«لاتجعلوا بيوتكم مقابر، فإن الشيطان يفر من البيت الذي يقرأ فيه سورة البقرة».

[ترجمہ] "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، کیونکہ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہے"۔

اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ گھروں میں قرآن کی تلاوت کیا کرو، ان سے قبرستان نہ بناؤ، جہاں قرآن کی تلاوت جائز نہیں۔ یہ استدلال اس طرح ہے جس طرح کہ ایک موقع پر امام بخاریؒ نے اس حدیث: «صلوا في بيوتكم ولاتتخذوها قبورا». (گھروں میں نماز پڑھا کرو اور ان سے

اس سے متعلق روایات کے لیے ملاحظہ ہو: «معرفة السنن والآثار» للبيهقي ٣/ ١٨٦-١٨٧، «سنن الدارقطني» ٢/ ٤٤٠، «التلخيص الحبير» ٤/ ١٢٣٤-١٢٣٦ «مصنف ابن أبي شيبة» ٧/ ٣٣٦-٣٣٨.

قبرستان نہ بناؤ) سے یہ استدلال کیا ہے کہ قبرستان میں نماز مکروہ ہے، انہوں نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے «باب كراهية الصلاة في المقابر».

قبرستان میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کے بارے میں یہ استدلال علامہ البانیؒ نے کیا ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

«ومما يقوي عدم المشروعية قوله ﷺ: (لاتجعلوا بيوتكم مقابر، فإن الشيطان يفر من البيت الذى يقرأ فيه سورة البقرة). أخرجه مسلم ٢/ ١٨٨، والترمذي ٤/ ٤٢ وصححه وأحمد ٢/ ٢٨٤،٣٣٧،٨٧٣، ٣٨٨ من حديث أبي هريرة.

وله شاهد من حديث الصلصال بن الدلهمس. رواه البيهقي في «الشعب» كما في «الجامع الصغير». فقد أشار (ﷺ) إلى أن القبور ليست موضعا للقراءة شرعا، فلذلك حض على قراءة القرآن في البيوت ونهى عن جعلها كالمقابر التي لايقرأ فيها، كما أشار في الحديث الآخر إلى أنها ليست موضعا الصلاة أيضا، وهو قوله: «صلوا في بيوتكم، ولاتتخذوها قبورا». أخرجه مسلم ٢/ ١٨٧ وغيره عن ابن عمر، وهو عند البخارى بنحوه، وترجم له بقوله: بـ «باب كراهية الصلاة في المقابر» فأشار به إلى أن حديث ابن عمر يفيد كراهة الصلاة في المقابر، فكذلك حديث أبي هريرة يفيد كراهة قراءة القرآن في المقابر، ولافرق. (وقداستدل جماعة من العلماء بالحديث على ما استدل به

البخاري، وأيده الحافظ في «شرحه»، وقدذكرت كلامه في المسألة الآتية: (رقم ۱۲۸ فقره۷)». [1]

استدلال کا جواب:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ قبرستان میں قرآن مجید کا پڑھنا منع ہے، اس کے ظاہر سے فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھروں میں قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے، اسی طرح دوسری حدیث کے ظاہر سے بھی یہ بات معلوم نہیں ہوتی ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے، اس کے ظاہر سے فقط یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گھروں میں نماز پڑھا کرو۔ اہل علم کی اصطلاح میں اس کو تحسیس وتصریح کہتے ہیں، البتہ ان دونوں حدیثوں میں ایک جانب مخالف کا بھی احتمال ہے، کہ مراد یہ ہو کہ قبرستان میں قرآن کی تلاوت اور نماز نہ پڑھا کرو، لیکن اس احتمال کے ساتھ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مراد نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ کے اس طرز استدلال پر قاضی عیاضؒ اور علامہ ابن التینؒ نے اعتراض کیا ہے، چنانچہ قاضی عیاض لکھتے ہیں:

«وقد تأوله البخاري لاتجعلوها كالمقابر التي لاتجوز الصلاة فيها، وترجم عليه كراهة الصلاة في المقابر، والأول هو المعني، لا هذا». [2]

اور علامہ ابن التینؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) أحكام الجنائز ص ۱۹۱-۱۹۲.

(۲) مشارق الأنوار على صحاح الآثار ۲/ ۱۶۹.

«وقال ابن التين: تأوله البخاري على كراهة الصلاة في المقابر وتأوله جماعة على أنه إنما فيه الندب إلى الصلاة في البيوت إذ الموتى لايصلون كأنه قال لاتكونوا كالموتى الذين لا يصلون فى بيوتهم وهي القبور قال فأما جواز الصلاة في المقابر أو المنع منه فليس في الحديث مايؤخذ منه ذلك». [1]

اور حافظ ابن حجرؒ نے تو اس بات کو مزید واضح کیا ہے، چنانچہ وہ علامہ ابن التینؒ کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

«قلت: إن أراد أنه لايؤخذ منه بطريق المنطوق فمسلم وإن أراد نفي ذلك مطلقا فلا، فقد قدمنا وجه استنباطه». [2]

الغرض یہ صرف احتمالی بات ہے، مضبوط اور صریح استدلال نہیں ہے۔ اس کے علاوہ امام بخاریؒ کے استدلال میں پھر بھی قوت ہے، کیونکہ ایک دوسری صریح حدیث ان کی تائید کرتی ہے، اور وہ یہ ہے: «الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام». (تمام زمین مسجد ہے، سوائے قبرستان اور حمام کے)، یہ حدیث ترمذی اور ابوداود میں ہے، یہ چونکہ امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق نہیں تھی، لہذا ممکن ہے اس کے بلبوتے پر انہوں نے کراہت کا حکم لگادیا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

---

(١) فتح الباري ١/٦٩٦.

(٢) فتح الباري ١/٦٩٦.

«(قوله باب كراهية الصلاة في المقابر) استنبط من قوله في الحديث ولاتتخذوها قبورا أن القبور ليست بمحل للعبادة فتكون الصلاة فيها مكروهة وكأنه أشار إلى أن ما رواه أبوداود والترمذي في ذلك ليس على شرطه وهو حديث أبي سعيد الخدري مرفوعا: «الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام». رجاله ثقات لكن اختلف في وصله وإرساله وحكم مع ذلك بصحته الحاكم وابن حبان».[1]

اور جو استدلال علامہ البانیؒ نے کیا ہے، اس کے بارے میں ایک بھی صریح حدیث ہمیں نہیں ملی، جو ان کی تائید کرے، جبکہ اس کے برخلاف جواز کے بارے میں کئی احادیث ہیں، اور صحابہ کرام کا عمل بھی ہے، جیسا کہ تفصیل سے پیچھے گذر گیا۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی تشریح میں کسی معتبر شارح نے وہ تشریح بھی نہیں کی ہے، جو علامہ البانیؒ نے کی ہے۔

(١) فتح الباري ١/ ٦٩٦.

{مذاہب اربعہ}

فقہ حنفی کی روشنی:

قبر کے پاس قرآن پڑھنا اور امام ابو حنیفہؒ، صاحبینؒ

" بہت تلاش کے بعد بھی ایسی کوئی روایت نہیں ملی، جس میں امام ابو حنیفہؒ یا صاحبینؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز یا عدم جواز کا ذکر ہو، اس کے لیے بندہ نے دیگر کتابوں کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی کتابوں کی طرف بھی رجوع کیا۔

علامہ طاہر بن رشیدؒ کا حوالہ:

البتہ فقہاء حنفیہ میں سے علامہ طاہر بن رشیدؒ متوفی[۵۴۲ھ] کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے، اور مشائخ حنفیہ نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«رجل أجلس على قبر أخيه رجلا يقرأ القرآن يكره عند أبي حنيفة، وعند محمد لايكره، ومشايخنا أخذوا بقول محمد». [1]

لیکن اس عبارت میں یہ بات قابل غور ہے، کہ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کا یہ اختلاف قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں ہے، یا اس خاص قسم کی کیفیت کے بارے میں

---

(۱) خلاصة الفتاوى ٤/ ٣٤٤.

ہے، بظاہر عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس خاص صورت سے متعلق ہے، واللہ اعلم.

علامہ ابن تیمیہ کا حوالہ:

علامہ طاہر بن رشید متوفی [۵۴۲ھ] کے بعد علامہ ابن تیمیہ حنبلی [۶۶۱ھ / ۷۲۸ھ] نے بھی امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ نقل کیا ہے، کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے، شاید علامہ ابن تیمیہ نے علامہ ابن رشید کی مذکورہ بالا عبارت کی بناء پر یہ مذہب ان کی طرف منسوب کیا ہے، ان کی عبارت تفصیل کے ساتھ "مذہب حنبلی" کے تحت آجائے گی، یہاں صرف متعلقہ عبارت ملاحظہ ہو:

«والثانية: أن ذلك مكروه ... وهي مذهب جمهور السلف كأبي حنيفة». [1]

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

«وقد تنازع الناس في القراءة عند القبر فكرها أبو حنيفة». [2]

علامہ ابن تیمیہ نے اس کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حنفیہ کی ایک جماعت کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا جائز ہے، ملاحظہ ہو:

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم ۲/ ۷۳٦.

(۲) فتاوى ابن تيمية ۲٤/ ۳۱۷.

«إحداها: أن ذلك لا بأس به. وهي... وقول جماعة من أصحاب أبي حنيفة». [1]

علامہ ابن ابی العزؒ کا حوالہ:

علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ کے بعد علامہ ابن ابی العز حنفیؒ [۷۳۱ھ / ۷۹۲ھ] نے علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ کی "اقتضاء الصراط المستقيم" عبارت کا خلاصہ اپنی کتاب "شرح العقيدة الطحاوية" میں ذکر کیا ہے، اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز ہے، ان کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

«واختلف العلماء في قراءة القرآن عند القبور على ثلاثة أقوال: هل تكره أم لابأس بها وقت الدفن وتكره بعده؟ فمن قال بكراهتها كأبي حنيفة ومالك وأحمد في رواية قالوا: لأنه محدث لم ترد به السنة، والقراءة تشبه الصلاة والصلاة عند القبور منهى عنها فكذلك القراءة. ومن قال لا بأس بها كمحمد بن الحسن وأحمد في رواية استدلوا بما نقل عن ابن عمر رضي الله عنه أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها. ونقل أيضا عن بعض السلف ومن قال: لا بأس بها وقت الدفن فقط وهو رواية عن أحمد أخذ بما نقل عن ابن عمر و بعض المهاجرين. وأما بعد ذلك كالذين يتنابون القبر للقراءة عنده فهذ مكروه فإنه لم تأت به السنة ولم ينقل عن أحد من

---

(١) اقتضاء الصراط المستقيم ٢/ ٢٣٧.

السلف مثل ذلك أصلا. وهذا القول لعله أقوى من غيره، لما فيه من التوفيق بين الدليلين». [1]

علامہ ابن ابی العز حنفیؒ کی اس عبارت کو ملاحظہ کیجیے اور پھر علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ کی عبارت کے ساتھ اس کا تقابل کیجیے، صاف واضح ہو جائے گا کہ علامہ ابن ابی العز حنفیؒ نے اس کا اختصار پیش کرنے کی کوشش کی ہے، علامہ ابن ابی العز حنفیؒ اس کے علاوہ بھی اپنی تصانیف میں علامہ ابن تیمیہؒ سے بہت استفادہ کرتے ہیں، اوران کے بعض شاذ آراء اور تفردات کے بھی شکار ہو گئے ہیں، اس لیے ان کی تصانیف کے مطالعہ کے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے، ہمارے فاضل اور محقق دوست مولانا سجاد بن الحجابی صاحب [مردان، فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی] کا مقالہ "شرح عقیدہ طحاویہ تالیف ابن ابی العز پر ایک تحقیقی نظر" اس سلسلہ میں مفید ہو گا، جو ماہنامہ وفاق المدارس ملتان اور ماہنامہ العہد کراچی میں چھپ چکا ہے۔

ملا علی قاریؒ کا حوالہ:

علامہ ابن ابی العز حنفیؒ کے بعد علامہ ملا علی قاری حنفیؒ متوفی [۱۰۱۴ھ] نے "شرح فقہ اکبر" میں علامہ ابن ابی العز حنفیؒ کی عبارت کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی عبارت یہ ہے:

«ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبي حنيفة ومالك وأحمد رحمهم الله في رواية؛ لأنه محدث لم ترد به السنة. وقال محمد بن الحسن

---

(۱) شرح العقيدة الطحاوية ص ٤٦٥-٤٦٦.

وأحمد في رواية: لايكره؛ لما روي عن ابن عمر رضي الله عنه أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها. والله سبحانه وتعالى أعلم». [1]

علامہ ملا علی قاری حنفیؒ کی اس مسئلہ سے متعلق دیگر عبارات آگے ہم ذکر کریں گے، جس سے واضح ہو جائے گا کہ ان کا مسلک کیا ہے؟

علامہ قرافیؒ کا حوالہ:

ان تمام عبارات میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک کراہت کا نقل کیا گیا ہے، ان سب سے مختلف علامہ قرافی مالکیؒ متوفی [۶۸۴ھ] نے امام ابو حنیفہؒ کا مسلک جواز کا نقل کیا ہے، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«مذهب أبي حنيفة وأحمد بن حنبل أن القراءة يحصل ثوابها للميت، وإذا قرئ عند القبر حصل للميت أجر المستمع». [2]

احناف کا مفتی بہ مسلک:

اس مسئلہ سے متعلق حنفیہ کے صف اول کے اکابر جیسے امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ سے مکمل صراحت کے ساتھ تو جواز یا عدم جواز کے بارے میں کچھ ملا نہیں ہے، جس کی بنا

---

(١) شرح الفقه الأكبر ص ١٣١ طبع قديمي كتب خانه كراچى.

(٢) الفروق للقرافي ١٩٢/٣ بحواله تحقيق الآمال فيما ينفع الميت من الأعمال ص ٤٣

پر پورے وثوق کے ساتھ کچھ کہا جاسکے، جتنی بات کتابوں میں موجود تھی وہ نقل کردی گئی، البتہ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ متاخرین احناف نے صراحت کے ساتھ قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، اور اسی کو مفتی بہ کہا ہے، چنانچہ حنفیہ میں سے (۱) علامہ قاضی خانؒ (۲) علامہ ابن ہمامؒ (۳) علامہ ابن نجیمؒ (۴) ملا علی قاریؒ (۵) علامہ شرنبلالیؒ (۶) علامہ شامیؒ وغیرہ، ان سب حضرات نے صاف الفاظ میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، ان کی عبارات تفصیل سے ملاحظہ ہو:

علامہ کاسانیؒ متوفی [۵۸۷ھ] کا حوالہ:

(۱) علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

«وعليه عمل المسلمين من لدن رسول الله ﷺ إلى يومنا هذا من زيارة القبور وقراءة القرآن عليها والتكفين والصدقات والصوم والصلاة وجعل ثوابها للأموات». [1]

علامہ قاضی خانؒ کا حوالہ:

(۲) علامہ حسن بن منصور قاضی خانؒ متوفی [۵۹۲ھ] تحریر فرماتے ہیں:

«وإن قرأ عند القبور إن نوى بذلك أن يؤنسهم صوت القرآن فإنه يقرأ، فإن لم يقصد ذلك فالله تعالى يسمع قراءة القرآن حيث كانت». [1]

---

(۱) بدائع الصنائع ٢ / ٢١٢.

علامہ ابن ہمام کا حوالہ:

(۳) علامہ محمد بن عبد الواحد بن ہمام متوفی [۸۶۱ھ] تحریر فرماتے ہیں:

"وإلى ما رواه أيضا عن علي عنه ﷺ أنه قال: من مر بالمقابر وقرأ: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ احدى عشرة مرة، ثم وهب أجرها للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات".[2]

اور ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة بل أولى وكل ما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائما كما كان يفعل ﷺ في الخروج إلى البقيع ويقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنا إن شاء الله بكم لاحقون أسال الله لي ولكم العافية. واختلف في إجلاس القارئين ليقرؤا عندالقبر، والمختارعدم الكراهة".

علامہ ابن نجیم کا حوالہ:

(۴) علامہ زین الدین ابن نجیمؒ [۹۷۰ھ] تحریر فرماتے ہیں:

---

(١) فتاوى قاضي خان ٣/ ٤٢٢، ونقل عنه في الفتاوى الهندية ٤/ ٣٧٧. وراجع سباحة الفكر بالجهر بالذكر ص٨٢، للعلامة اللكنوي، بتحقيق العلامة أبوغده.

(٢) فتح القدير شرح الهداية لابن همام ٣/ ٦٥، الحج عن الغير.

«ولا بأس بقراءة القرآن عند القبور وربما تكون أفضل من غيره ويجوز أن يخفف الله شيئا من عذاب القبر أو يقطعه عنه دعاء القارئ وتلاوته. وفيها ورد آثار: «من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد من فيها حسنات». وفي «فتح القدير»: ويكره عند القبر كل ما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائما كما كان يفعل ﷺ في الخروج إلى البقيع».[1]

بعض کتابوں میں علامہ ابن ہمامؒ کا یہ قول: «ویکرہ عند القبر کلما لم یعهد من السنة والمعهود منها لیس إلا زیارتها والدعاء عندها قائما» نقل کیا گیا ہے، اور اس سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قبر کے پاس قرآن پڑھنا بھی ثابت نہیں لہٰذا یہ بھی مکروہ ہے، لیکن اول تو قبر کے پاس قرآن پڑھنا ثابت ہے، نیز علامہ ابن ہمامؒ کی اس تصریح کے بعد کہ قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ نہیں ہے، پھر ان کی اس مجمل عبارت کو نقل کرنا اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے عدم جواز کے لیے دلیل بنانا قابلِ غور ہے۔

ملا علی قاریؒ کا حوالہ:

(۵) علامہ ملا علی قاریؒ متوفی [۱۰۱۴ھ] کی ایک عبارت «شرح فقه اکبر» کے حوالے سے اور دوسری «حرز ثمین شرح حصن حصین» کے حوالے سے پیچھے گذر چکی ہیں، یہاں ان کی ایک اور کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے، موصوف «شرح لباب المناسك» میں زیارتِ قبور کے مسئلے کے تحت لکھتے ہیں:

---

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق ۲/ ۱۹۵، ۱۹۶.

؟

«فينبغي أن يزورهم ويتبرك بهم ويسلم عليهم ويكثر قراءة القرآن حولهم ويكثر الدعاء والاستغفار لهم ولغيرهم من المسلمين ... ثم من آداب زيارة القبور مطلقا ما قالوا من أنه ياتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل رأسه، فإنه أتعب لبصر الميت بخلاف الاول؛ لأنه يكون مقابل بصره ناظر إلى جهة قدمه إذا كان على جنبه، لكن هذا إذا أمكنه وإلا فقد ثبت أنه ﷺ قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وآخرها عند رجليه ... ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يٰس وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرة أو احدى عشرة أو سبعا أو ثلاثا، ثم يقول: أوصل ثواب ما قرأنا إلى فلان أو إليهم». [1]

اس عبارت میں ملا علی قاریؒ نے قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کے جواز کی تصریح کی ہے، البتہ انہوں نے جو یہ لکھا ہے کہ: «فقد ثبت أنه ﷺ قرأ أول سورة البقرة». تو یہ بات محل غور ہے، کیونکہ حدیث میں حضور ﷺ نے اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے، خود پڑھنے کی بات حدیث میں نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اس مسئلے سے متعلق اور زیادہ تفصیل «مشکوۃ» کی شرح «مرقاۃ» میں کی ہے۔ [2]

---

(١) شرح لباب المناسك لعلي القاري ص ٣٣٣-٣٣٤. علامہ شامیؒ نے بھی یہ عبارت ''ردالمحتار شرح الدر المختار'' ٢/ ٢٤٢-٢٤٤ میں ذکر کی ہے۔

(٢) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ٤/ ١٧٣.

علامہ شرنبلالی کا حوالہ:

(٦) علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالیؒ متوفی [١٠٦٩ھ] «نورالإیضاح» میں تحریر فرماتے ہیں:

«فصل في زيارة القبور: ... ويستحب قراءة يس؛ لماورد أنه من دخل المقابر فقرأ يس خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد ما فيها حسنات، ولايكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار، وكره القعود على القبر لغير قراءة». [1]

مولانا اعزاز علی کا حوالہ:

مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ نے جو «نورالإیضاح» کا حاشیہ لکھا ہے، اس میں لکھتے ہیں:

«[قوله:بالكتابة]: وهل قراءة القرآن عند القبور مكروهة تكلموا فيه. قال أبوحنيفة: يكره. وقال محمد: لايكره، ومشايخنا أخذوا بقول محمد. رجل مات فأجلس وارثه رجلا يقرأ القرآن على قبره، تكلموا فيه، منهم من كره ذلك، والمختار أنه ليس بمكروه، ويكون المأخوذ في هذا الباب قول محمد. ولهذا حكى عن السيد الشيخ أبي بكرة العياضي رحمه الله أنه أوصى عند موته بذلك، ولوكان مكروها لما أوصى به. هذا

---

(١) نورالإيضاح ص ١٣١، والتفصيل في شرحه مراقي الفلاح ص ١٢١ له أيضا.

مافي الشلبي نقلا عن الولوالجي. ولعلك عرفت أن هذا الاختلاف في مجرد القراءة فقال الإمام: هو مكروه. وأما ما شاع في بلادنا الهندية من الاستيجار لقراءة القرآن مع محدثات أخر فمكروه قطعا، خلافا لمن جعل البدعات رزقه». [1]

یہ ہے مولانا اعزاز علیؒ کی پوری عبارت، ان کی یہ عبارت اس وجہ سے نقل کی گئی ہے، کہ بعض جگہ پر ان کی عبارت نقل کی گئی ہے، اور اس کو مختصر کیا گیا ہے، لیکن تلخیص کی وجہ سے اصل مطلوب کو بحال نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ مولانا اعزاز علیؒ کا حوالہ دیکر اپنی مطلب کی بات کی گئی ہے، ملاحظہ ہو:

«وفي حاشية نورالإيضاح لإعزاز علي الديوبندي: فصل في حملها ص (١٣٤): يكره قراءة القرآن في المقبرة مطلقا، وأما الاستيجار لذلك فمتضمن لبدعات.ملخصا». [2]

مولانا اعزاز علیؒ قبر کے پاس مطلقاً قرآن کے پڑھنے کے کراہت کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے متعدد حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز ہے، اور مشائخ حنفیہ نے اسی کو لیا ہے، اور لکھا ہے: «ويكون المأخوذ في هذا الباب قول محمد». کہ اس بارے میں امام محمدؒ کے قول کو لیا جائے گا۔ البتہ انہوں ایک خاص صورت کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ قطعاً مکروہ ہے، اور وہ یہ کہ اجرت پر کسی کو قبر کے پاس

---

(١) حاشية نورالإيضاح ص ١٣١، فصل في حملها ودفنها، كتاب الجنائز.

(٢) فتاوى الدين الخالص ٧/ ٢٣٨.

قرآن پڑھنے کے لیے بٹھایا جائے، اور یہ صورت ہند و پاک میں رائج ہے، اس کے علاوہ بدعات بھی لوگوں نے اس کے ساتھ ملا دیے ہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، علامہ شامیؒ نے اس حوالے سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے «شفاء العليل وبلُّ الغليل في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل» کہ تلاوتِ قرآن پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ یہ رسالہ مطبوعہ «مجموعة رسائل ابن عابدين» میں شامل ہے۔

نوٹ: علماء دیوبندؒ کا بھی وہی نقطہ نظر ہے، جو احناف کا متفق بہ مسلک ہے، اس سلسلہ میں ایک مستقل عنوان "اکابر علماء دیوبند کی آراء و فتاوی" کے تحت اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

علامہ شامیؒ کا حوالہ:

(۷) علامہ شامیؒ متوفی [۱۲۵۲ھ] کی کتاب «ردالمحتار» میں اس بارے میں بڑی تفصیل ہے، ملاحظہ ہو:

علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفیؒ متوفی [۱۰۸۸ھ] «الدر المختار» میں لکھتے ہیں:

«ويقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، ويقرأ يس. وفي الحديث: من قرأ الإخلاص أحد عشر مرة ثم وهب أجرها للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات». [١]

---

(١) الدرالمختار ٢/ ٢٤٢-٢٤٣.

علامہ شامیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

«[قوله: ويقول الخ] قال في «الفتح»: والسنة زيارتها قائما والدعاء عندها قائما كما كان يفعله ﷺ في الخروج إلى البقيع ويقول: السلام عليكم الخ. وفي «شرح اللباب» للمنلا علي القاري: ثم من آداب الزيارة ما قالوا من أنه يأتي الزائر من قبل رجلي المتوفى لا من قبل رأسه، لأنه أتعب لبصر الميت بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره، لكن هذا إذا أمكنه وإلا فقد ثبت أنه ﷺ قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وآخرها عند رجليه» ... [قوله: ويقرأ يٰس] لما ورد من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد من فيها حسنات». «بحر». وفي «شرح اللباب»: ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يٰس وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرة أو احدى عشرة أوسبعا أوثلاثا، ثم يقول: أوصل ثواب ماقرأنا إلى فلان أو إليهم». [۱]

علامہ شامیؒ نے اس کے بعد دو عنوانات قائم کئے ہیں: ١- مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له. ٢- مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي ﷺ. اور اس کے تحت دونوں مسئلوں کی تفصیل نقل کی ہے، جس میں بہت فوائد ہیں، لیکن تطویل کے خوف سے نقل نہیں کیا۔

---

(۱) ردالمحتار ٢/ ٢٤٢-٢٤٣.

علامہ حصکفیؒ «الدر المختار» میں لکھتے ہیں:

«لایکره الدفن لیلا ولا إجلاس القارئین عند القبر، وهو المختار».[1]

علامہ شامیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

«[قوله: ولا إجلاس القارئين عند القبر] عبارة «نورالإيضاح» وشرحه: ولايكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار لتأدية القراءة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاتعاظ».[2]

علامہ حصکفیؒ «الدر المختار» میں لکھتے ہیں:

«قلت: وكذا ينبغي أن يكون القول ببطلان الوصية لمن يقرأ عند قبره بناء على القول بكراهة القراءة على القبور أو بعدم جولز الإجارة على الطاعات».[3]

علامہ شامیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

«[قوله: بناء على القول بكراهة القراءة على القبور] أقول: ليس كذلك لما في «الولوالجية»: لوزار قبر صديق أو قريب له، وقرأ عنده

---

(١) الدرالمختار ٢/ ٢٤٥-٢٤٦.

(٢) الدرالمختار ٢/ ٢٤٥-٢٤٦.

(٣) الدرالمختار ٦/ ٦٩٠-٦٩١.

شيئا من القرآن فهوحسن، وأما الوصية بذلك فلا معنى لها ولامعنى أيضا لصلة القارئ لأن ذلك يشبه استجاره على قراءة القرآن وذلك باطل ولم يفعله أحد من الخلفاء. اهـ بحروفه. فقد صرح بحسن القراءة على القبر وبطلان الوصية، فلم يكن مبنيا على القول بالكراهة». [١]

☆☆☆

---

(١) الدرالمختار ٦/ ٦٩٠.

فقہ مالکی کی روشنی میں

امام مالک کا مذہب

کوئی ایسی مستند روایت نہیں ملی جس میں امام مالکؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز یا عدم جواز کا ذکر ہو، اس کے لیے بندہ نے امام مالکؒ کی تصانیف "موطا" اور "مدونہ" کی طرف بھی رجوع کیا، اور علامہ ابن رشد مالکیؒ کی "بدایۃ المجتہد" اور "البیان والتحصیل" کی طرف بھی رجوع کیا، لیکن اس حوالے سے کچھ نہیں ملا۔

البتہ علامہ ابن تیمیہؒ نے امام مالکؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ قبرستان میں تلاوت کرتا ہو، علامہ ابن تیمیہؒ کی پوری عبارت مذہب حنبلی کے تحت نقل کی گئی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: «وقال مالك: ماعلمت أحدا يفعل ذلك».[1]

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم ۲/ ۷۳٦.

ويقول فيه العلامة ممدوح:

«قلتُ: لا يلزم من عدم علم الإمام مالك رحمه الله تعالى، نفي الفعل عن الصحابة والتابعين جيعا، وتحمّس ابن تيمية لرأيه يجعله يستنتج من النص ما لايحتمله، لاسيما مع وجود النصوص التي تخالف ما رآه ابن تيمية».

(كشف الستور ص۲٤۰).

اول تو امام مالکؒ کے حوالے سے یہ یقینی بات نہیں، اور اگر علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ حوالہ درست بھی ہو، تب بھی یہ ایک مضبوط دلیل نہیں، کیونکہ جب قبرستان میں تلاوت کرنے کی حدیث ثابت ہے، تو یہ کہا جائے گا کہ امام مالک تک یہ پہنچی نہیں ہوگی، جس کی بنا پر وہ اس کی نفی فرما رہے ہیں۔

اور "فتاوی ابن تیمیہ" میں ہے: «وقد تنازع الناس في القراءة على القبر فكرها أبو حنيفة ومالك».[1]

متاخرین مالکیہ کا مفتی بہ مسلک

اور علامہ وہبۃ الزحیلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں "کہ قدماء مالکیہ کا مذہب تو عدم جواز کا ہے، البتہ متاخرین مالکیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے" چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

«وقال المالكية: تكره القراءة على الميت بعد موته وعلى قبره، لأنه ليس من عمل السلف، لكن المتأخرون على أنه لابأس بقراءة القرآن والذكر وجعل ثوابه للميت، ويحصل له الأجر إن شاءالله».[2]

یہی بات «الموسوعة الفقهية الكويتية» میں بھی ہے، تاہم اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ دسوقی مالکیؒ نے مطلقا کراہت کا قول اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

---

(۱) فتاوى ابن تيمية ۲٤/ ۳۱۷.

(۲) الفقه الإسلامي وأدلته ۲/ ۲۵۱.

«وذهب المالكية إلى كراهة القراءة عند القبر، لأنه ليس من عمل السلف. قال الدردير: «المتأخرون على أنه لا بأس بقراءة القرآن والذكر وجعل ثوابه للميت، ويحصل له الأجر إن شاء الله». لكن رجح الدسوقي الكراهة مطلقا».[1]

علامہ عبدالحق اشبیلی مالکی کا ایک حوالہ

قال العلامة عبد الحق الأندلسي الأشبيلي (المتوفى: ٥٨١هـ):

وروى أَبُو عبد الرَّحْمَن النَّسَائِيّ من حَدِيث معقل بن يسَار الْمُزنِيّ عَن النَّبِي ﷺ أنه قَالَ اقرأوا يس على مَوْتَاكُم. فَيحْتَمل أن تكون هَذِه الْقِرَاءَة عِنْد مَوته وَيحْتَمل أن تكون عِنْد قَبره. ويروى عَن عبد الله بن عمر بن الْخطاب رَضِي الله عَنْهُمَا أنه أمر أن يقْرَأ عِنْد قَبره سُورَة الْبَقَرَة.

وَقد روى إِبَاحَة الْقِرَاءَة عِنْد الْقَبْر الْعَلَاء بن عبد الرَّحْمَن. ويروى أَيْضا أن أَحْمد بن حَنْبَل رَجَعَ إِلَى هَذَا بَعْدَمَا كَانَ يُنكرهُ[2].

علامہ محمود سعید ممدوح نے مالکیہ کا مسلک جواز کا لکھا ہے۔[3]

••••

---

(١) الموسوعة الفقهية ٣٢/ ٢٥٥-٢٥٦.

(٢) كتاب العاقبة في ذكر الموت ص: ١٨٤

(٣) كشف الستور ص ٢٣٩.

فقہ شافعی کی روشنی میں:

مذہب امام شافعیؒ

امام شافعیؒ قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے، چنانچہ امام خلالؒ نے باقاعدہ سند کے ساتھ ان سے جواز کا قول نقل کیا ہے کہ علامہ زعفرانیؒ نے امام شافعیؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں پوچھا، تو امام شافعیؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، ملاحظہ ہو:

«أخبرني روح بن الفرج قال: سمعت الحسن بن الصباح الزعفراني يقول: سألت الشافعي عن القراءة عند القبور؟ فقال: لابأس به». [1]

اس سند میں ایک راوی روح بن الفرج ہے، اور دوسرے حسن بن صباح زعفرانی ہے، ذیل میں ان دونوں کے حالات ملاحظہ ہو:

(۱) روح بن الفرج:

یہ امام ابوزنباع روح بن الفرج قطان مصریؒ ہیں، ان کی ولادت ۲۰۰ھ اور وفات ۲۸۲ھ ہے، یہ بہت بڑے محدث ہیں، اور امام طحاویؒ اور امام طبرانیؒ کے استاذ ہیں، امام طحاویؒ فرماتے ہیں: «کان من أوثق الناس» (یہ تمام لوگوں میں زیادہ ثقہ ہیں)، اور علامہ ابن قدیدؒ فرماتے ہیں: «رفعه الله بالعلم والصدق». (اللہ نے ان کو علم

---

(۱) القراءة عند القبور ص۲، الأمر بالمعروف.

اور صداقت کی بدولت بلند مرتبہ عطا فرمایا تھا) اور امام بزارؒ نے بھی ان کی احادیث اپنی «مسند» میں روایت کی ہیں، اور ان کے بارے میں لکھتے ہیں: «يقال: ليس في مصر أوثق ولا أصدق منه». (کہا جاتا ہے کہ مصر میں ان سے زیادہ ثقہ اور سچا نہیں ہے)۔ [1]

(۲) حسن بن صباح زعفرانیؒ:

یہ امام ابو علی حسن بن محمد بن صباح بغدادی زعفرانیؒ ہیں، ان کی ولادت ۱۷۰ھ سے کچھ بعد میں ہوئی، اور سن وفات ۲۵۹ھ یا ۲۶۰ھ ہے، امام مسلمؒ کے علاوہ دیگر ارباب صحاح ستہ نے ان کی احادیث لی ہیں، علامہ ذہبیؒ نے ان کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

«الإمام العلامة شيخ الفقهاء والمحدثين... ثقة جليلا عالي الرواية كبير المحل». [2]

اور ان کا شمار امام شافعیؒ کے بلند شاگردوں میں ہوتا ہے چنانچہ علامہ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ:

"علامہ زعفرانیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو ثورؒ تینوں امام شافعیؒ سے اکٹھے علم حاصل کرتے تھے، لیکن امام شافعیؒ کے سامنے سبق پڑھنے کی ذمہ داری صرف علامہ زعفرانیؒ سرانجام دیتے تھے"۔ [1]

---

(۱) ملاحظہ ہو: تاريخ الإسلام ۷/ ۳۰۰، تهذيب الكمال ۳/ ۵۳۶.

(۲) سير أعلام النبلاء ۱۲/ ۲۶۲.

اور زکریا ساجیؒ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے علامہ زعفرانیؒ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ امام شافعیؒ ہمارے پاس آئے، اور ہم بہت سارے لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے، تو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ (تم میں سے کون پڑھے گا) اپنے لیے سبق پڑھنے والا تلاش کرو، تو میرے علاوہ کسی میں بھی یہ جراءت نہیں تھی کہ ان کے سامنے پڑھے، حالانکہ میں تمام لوگوں کے بنسبت عمر کے لحاظ سے چھوٹا تھا، اور اس وقت میرے چہرے پر کوئی (داڑھی کا ایک) بال بھی نہیں تھا، اور اس دن مجھے اس پر بہت تعجب ہو رہا تھا کہ میری زبان امام شافعیؒ کے سامنے کیسے چل رہی ہے، اور اس جسارت پر بہت حیران تھا، میں نے امام شافعیؒ کی ساری کتابیں سوائے «كتاب المناسك» اور «كتاب الصلاة» کے ان سے پڑھیں"۔

علامہ ذہبیؒ ان کے اس تعجب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«قلت: كان الزعفراني من الفصحاء البلغاء». [٢]

(میں کہتا ہوں کہ علامہ زعفرانیؒ بہت فصیح و بلیغ تھے)۔

اور علامہ زعفرانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"جب میں نے امام شافعیؒ کے سامنے ان کے کتاب "الرسالہ" پڑھی، تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم عرب کے کس قبیلے کے ہو؟ تو میں عرض کیا کہ میں عربی نہیں

---

(١) الثقات لابن حبان ٨/ ١٧٧.

(٢) سير أعلام النبلاء ١٢/ ٢٦٢.

ہوں، میں جس جگہ کا ہوں اس کو "زعفرانیہ" کہا جاتا ہے، تو امام شافعیؒ نے فرمایا: تم اس جگہ کے سردار ہو"۔[1]

علامہ نووی شافعیؒ کی تصریح:

مذہب شافعیہ کے مقتدر علماء بھی اسی وجہ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ نوویؒ [۶۳۱ھ/۶۷۶ھ] نے «ریاض الصالحین» میں باب باندھا ہے «باب الدعاء للميت بعد دفنه والقعود عند قبره ساعة للدعاء له والإستغفار والقراءة». اور اس کے تحت احادیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

«قال الشافعي رحمه الله: ويستحب أن يقرأ عنده شيء من القرآن، وإن ختموا القرآن عنده كان حسنا»[2]

اور علامہ نوویؒ «المجموع شرح المهذب» میں لکھتے ہیں:

«ويستحب للزائر أن يسلم على المقابر ويدعو لمن يزور ولجميع أهل المقبرة، والأفضل أن يكون السلام والدعاء مما ثبت في الحديث،

---

(۱) تهذيب التهذيب ۲/ ۲۷۵.

(۲) رياض الصالحين ص۳۱۳.

ويستحب أن يقرأ من القرآن ما تيسر ويدعو لهم عقبها، نص عليه الشافعي واتفق عليه الأصحاب».[1]

اور علامہ نوویؒ «التبیان في آداب حملة القرآن» میں لکھتے ہیں:

«فصل: فيما يقرأ عند الميت. قال العلماء من أصحابنا وغيرهم: يستحب أن تقرأ عنده يس، لحديث معقل بن يسار رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: «اقرأوا يس على موتاكم». رواه أبوداود والنسائي في «عمل اليوم والليلة» وابن ماجه بإسناد ضعيف. وروى مجالد عن الشعبي قال: قال: كانت الأنصار إذا حضروا عند الميت قرأوا سورة البقرة، ومجالد ضعيف. والله أعلم».[2]

علامہ سیوطیؒ کی تصریح:

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ المتوفی [۹۱۱ھ] نے اپنی کتاب «شرح الصدور» میں باب باندھا ہے «باب قراءة القرآن للميت أو على القبر» (میت اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا حکم) اور اس باب میں انہوں نے دو مسئلے ذکر کئے ہیں، پہلا مسئلہ "میت کے لئے قرآن مجید کا ایصالِ ثواب" اور اس کے تحت انہوں نے لکھا ہے کہ "جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ اس کے جواز کے قائل ہیں، البتہ ہمارے امام شافعیؒ اس کے عدمِ جواز کے قائل ہیں، ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

---

(١) المجموع شرح المهذب ٥/ ٢٨٦.

(٢) التبيان في آداب حملة القرآن ص٩٦.

«اختلف في وصول ثواب القراءة للميت، فجمهور السلف والأئمة الثلاثة على الوصول وخالف في ذلك إمامنا الشافعي». [1]

پھر علامہ سیوطیؒ نے اس بارے میں طرفین کے دلائل ذکر کیے ہیں، تاہم یہ چونکہ ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے، اس لیے یہ تفصیل نقل نہیں کی جاتی۔

دوسرا مسئلہ علامہ سیوطیؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ "قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنا کیسا ہے؟" اور اس کے تحت وہ فرماتے ہیں:

«وأما القراءة على القبور، فجزم بمشروعيتها أصحابنا وغيرهم. قال الزعفراني: سألتُ الشافعي رحمه الله عن القراءة عند القبر، فقال: لابأس به. وقال النووي في «شرح المهذب»: يستحب لزائر القبور أن يقرأ ما تيسر من القرآن ويدعو لهم عقبها، نصّ عليه الشافعي واتفق عليه الأصحاب. وزاد في موضع آخر: وإن ختموا القرآن على القبر كان أفضل. وكان الإمام أحمد بن حنبل ينكر ذلك أولاً حيث لم يبلغه فيه أثر، ثمّ رجع حين بلغه، ومن الوارد في ذلك ماتقدم في باب مايقال عند الدفن من حديث ابن عمر والعلاء بن [اللجلاج] مرفوعا كلاهما. [2]

---

(١) شرح الصدور ص ١٢٩

(٢) شرح الصدور ص١٣٠.

علامہ سیوطیؒ نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے بارے میں پھر مزید دلائل دیئے ہیں، جو تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں مختلف مقامات پر ذکر کیے گئے ہیں۔

مذہب امام شافعیؒ اور علامہ البانیؒ:

پیچھے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے بارے میں امام شافعیؒ کا مسلک، خود امام شافعیؒ سے، اور شافعی مسلک کے دو معتمد علماء علامہ نوویؒ اور علامہ سیوطیؒ سے ہم باحوالہ نقل کر چکے ہیں، لیکن علامہ البانیؒ اور ان کی اتباع میں غیر مقلدین حضرات یہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا بدعت ہے، ان حضرات کے پاس کوئی روایت امام شافعیؒ کی ایسی نہیں کہ جس میں امام شافعیؒ نے اس کو بدعت اور ناجائز کہا ہو، جبکہ جواز کے بارے باقاعدہ سند کے ساتھ ان سے یہ منقول ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علامہ البانیؒ کی عبارت ذکر کی جائے:

علامہ البانیؒ "ریاض الصالحین" کی تحقیق میں علامہ نوویؒ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«قلت: لا أدري أين قال ذلك الشافعي رحمه الله تعالى، وفي ثبوته عنه شك كبير عندي، كيف لا ومذهبه أن القراءة لايصل إهداء ثوابها إلى الموتى، كما نقله عنه ابن كثير في تفسير قوله تعالى: (وأن ليس للإنسان إلا ما سعى)، وقد أشار شيخ الإسلام ابن تيمية إلى عدم

ثبوت ذلك عن الإمام الشافعي بقوله في (الاقتضاء): «لا يحفظ عن الشافعي نفسه في هذه المسألة كلام لأن ذلك كان عنده بدعة».[1]

[ترجمہ] "مجھے نہیں معلوم کہ امام شافعیؒ نے یہ کہاں فرمایا ہے، نیز امام شافعیؒ سے اس کے ثبوت میں مجھے قوی شک ہے، یہ اس لیے کہ ان کا مذہب تو یہ ہے کہ میت کی طرف قرآن پڑھنے کا ثواب نہیں پہونچتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے اللہ تعالی کے اس ارشاد: «وأن ليس للإنسان إلا ما سعى» کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، اور علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی امام شافعیؒ سے اس کے ثابت نہ ہونے کی طرف، اپنی کتاب «اقتضاء الصراط المستقيم» میں اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: کہ خود امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی کلام منقول نہیں، کیونکہ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک بدعت ہے"۔

علامہ البانیؒ کی اس تحقیق کو کئی حضرات نے نقل کیا ہے۔

علامہ البانیؒ کی عبارت میں درج ذیل باتیں غور طلب ہیں:

(۱) ہم نے باقاعدہ صحیح سند کے ساتھ امام شافعیؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جواز نقل کیا ہے، علامہ البانیؒ چونکہ اس روایت پر مطلع نہیں ہوئے، اس لیے انہوں نے لاعلمیت کا اظہار کیا ہے، لیکن یہ بات قابل تعجب ہے کہ ان کو یہ روایت کیوں نہیں نظر آئی، حالانکہ امام خلالؒ کی «كتاب القراءة عند القبور» ان کے سامنے ہے، انہوں نے اپنی کتاب «أحكام الجنائز» ص ۱۳، اور ص ۱۹۳ پر اس کا حوالہ بھی دیا ہے،

---

(۱) رياض الصالحين ص ۳۷۰.

نیز علامہ ابن القیمؒ کی «کتاب الروح» بھی ان کے پیش نظر ہے، اور علامہ ابن القیمؒ نے یہ روایت اس کتاب میں ذکر کی ہے۔

(۲) علامہ البانیؒ نے یہ جو فرمایا ہے: "کہ نیز امام شافعیؒ سے اس کے ثبوت میں مجھے قوی شک ہے، یہ اس لیے کہ ان کا مذہب تو یہ ہے کہ میت کی طرف قرآن پڑھنے کا ثواب نہیں پہونچتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے اللہ تعالی کے اس ارشاد: «وأن ليس للإنسان إلا ما سعى» کی تفسیر میں ذکر کیا ہے"

یہ بات بھی محل نظر ہے، کیونکہ قرآن کے ایصال ثواب کا مسئلہ الگ ہے، اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا مسئلہ الگ ہے، پیچھے علامہ سیوطیؒ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، انہوں نے ان دونوں مسئلوں کو الگ الگ ذکر کیا ہے، قرآن کا ایصال ثواب اگرچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، لیکن قبر کے پاس قرآن پڑھنا ان کے نزدیک جائز ہے، بعض حضرات نے بھی اس مسئلے کے بارے مذہب شافعیہ کی وہ عبارتیں ذکر کی ہیں، جو ایصال ثواب سے متعلق ہیں، اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا ناجائز ہے، اور شوافع کی کتابوں میں جو خاص اس موضوع کے متعلق عبارتیں تھیں، ان کو ذکر نہیں کیا۔

(۳) اور علامہ البانیؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت بھی اپنی تائید میں ذکر کی ہے کہ «لا يحفظ عن الشافعي نفسه في هذه المسألة كلام لأن ذلك كان عنده بدعة». (کہ خود امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی کلام منقول نہیں، کیونکہ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک بدعت ہے)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی یہ عبارت پوری تفصیل کے ساتھ "مذہب حنبلی" کے ضمن میں نقل کی جاچکی ہے، اور وہاں ان کی عبارت میں موجود بعض خامیوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا، ان میں سے ایک بات یہی تھی کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے امام شافعیؒ کا مذہب صحیح نقل نہیں کیا ہے، ایک طرف تو علامہ ابن تیمیہؒ یہ فرماتے ہیں "کہ خود امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی کلام منقول نہیں" اور دوسری طرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ "کیونکہ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک بدعت ہے"۔ تو جب ثابت نہیں، تو ان کے نزدیک یہ بدعت کیسے ہوا؟

خطیب بغدادیؒ کی قبر پر قرآن کے ختم کیے گئے:

جیسا کہ گذر گیا، امام شافعیؒ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ قبر پر دفن کے بعد قرآن مجید کا ختم کیا جائے، ایسا لگتا ہے کہ شوافع کے ہاں اس پر عمل بھی چلا آرہا ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی شافعیؒ مشہور شافعی عالم علامہ خطیب بغدادیؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: کہ (وفات کے بعد) ان کی قبر پر کئی قرآن ختم کیے گئے، اور اس پر کسی قسم کا رد نہیں کیا۔

ان کے الفاظ یہ ہیں: «وختم على قبره عدة ختمات».[١]

ابو جعفر حاشمی کی قبر پر قرآن کے ختم کیے گئے:

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

ودفن إلى جانب قبر الإمام أحمد، ولزم الناس قبره مدة، حتى قيل: ختم على قبره عشرة آلاف ختمة.[١]

---

(١) سير أعلام النبلاء١٨٠/ ٢٨٦.

. شَيْخ ابو منصور کی قبر پر قرآن کے ختم کیے گئے:

شَيْخ أبو منصور الخياط البغداديّ المقرئ الزّاهد. [المتوفى: ٤٩٩ هـ] کی قبر پر قرآن کے ختم کیے گئے علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

قَالَ السِّلَفِيّ: ذكر لي المؤتمن السّاجيّ في ثاني جمعة من وفاة أبي منصور: اليوم ختموا عَلَى رأس قبره مائتين وإحدى وعشرين ختْمة، يعني أنهم كانوا قد قرؤوا الختم قبل ذلك إلى سورة الإخلاص، فختموا هناك، ودعوا عقيب كل ختمة[٢].

علامہ بیہقی کا حوالہ

علامہ بیہقی شافعیؒ نے بھی امام شافعیؒ کا یہی مسلک نقل کیا ہے، کہ قبر کے پاس قرآن پڑھنا جائز ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

«قال الشافعي: وأحب لو قرء عندالقبر ودعي للميت».[٣]

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی کتاب "الإمتاع" کا حوالہ، اور ایک غلطی پر تنبیہ:

---

(١) سير أعلام النبلاء١٨/ ٥٤٧. ويراجع كشف الستور ص٢٤٤.

(٢) تاريخ الإسلام ت بشار (١٠/ ٨١٧). ويراجع كشف الستور ص٢٤٤.

(٣) معرفة السنن والآثار٣/ ١٩١.

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی کتاب «الإمتاع بالاربعین المتباینة السماع» کے آخر میں حافظ ابن حجرؒ کے فتاوی درج ہیں، جس کی تحقیق شیخ عبد اللہ بن محمد بن حسن شافعی نے کی ہے، ان فتاوی میں حافظ ابن حجرؒ نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور اس ضمن میں امام خلالؒ کے حوالے سے حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ذکر کی ہے، اس حدیث پر یہاں حافظ ابن حجرؒ نے کوئی حکم نہیں لگایا لیکن «الإمتاع» کے اس نسخے میں جو مکتبۃ الشاملہ (کمپیوٹری مکتبہ) میں شامل کیا گیا ہے، متن کے اندر محقق نے اپنی آراء درج کی ہیں، البتہ اپنی آراء کو بریکٹ میں درج کیا ہے، لیکن اس طرح سرسری دیکھنے والے متن میں درج شدہ محقق کی آراء کو حافظ ابن حجرؒ کی رائے سمجھے گا، یہاں بھی یہی ہوا، چنانچہ «أدلة الحنفية من الأحاديث النبوية على المسائل الفقهية» تالیف علامہ محمد عبد اللہ بہلویؒ کے محقق شیخ رحمت اللہ ندوی نے حضرت لجلاجؓ کی تخریج میں «الإمتاع» کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو «مُنکَر» کہا ہے، حالانکہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ «الإمتاع» کے محقق کی رائے ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

«كما أورده الحافظ ابن حجر العسقلاني في «الإمتاع بالأربعين المتباينة السماع»، ص٨٥ وقال: منكر، بينما قال الهيثمي عن رواية الطبراني: رجاله موثقون. (مجمع الزوائد ٣/ ٤٤)». [1]

اس رسالے کی تاخیر کا ایک سبب اس حوالے کی تحقیق تھی، کیونکہ حافظ ابن حجرؒ کا ایک حوالہ «أمالي الأذكار» کے حوالے سے پیچھے گذر چکا ہے جس میں انہوں نے

---

(١) أدلة الحنفية ص ٢٨٦، طبع دار القلم. وانظر نتائج الأفكار ٤/ ٤٢٧.

اس حدیث اور سند کو حسن قرار دیا ہے، یہاں انہوں نے منکر کیوں قرار دیا ہے ؟! بندہ نے اس کو اصل مطبوع کتاب یا قلمی نسخے پر موقوف کر دیا تھا، کتاب کی تلاش میں تھا، ایک روز جامعہ امداد العلوم پشاور کے مکتبہ میں نئی آمدہ کتابوں کی چھان بین کر رہا تھا کہ اچانک اس کتاب پر نظر پڑی، کتاب دیکھی تو شک کافور ہو گیا، کہ اس سند پر منکر کا حکم حافظ ابن حجرؒ کا نہیں بلکہ محقق کا ہے، ذیل میں "الإمتاع "کی پوری عبارت ذکر کی جاتی ہے، جس میں حافظ ابن حجرؒ نے خاص طور پر شافعیہ کے اس مسئلے میں مسلک کو بھی واضح کیا ہے، جہاں جہاں محقق نے حدیث پر حکم لگایا ہے، اس پر مختصر تبصرہ بھی کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

«وأما قوله: هل يصل إلى الميت ثواب القراءة سواء قرأ عند قبره أوغائبا عن قبره وهل له ثواب القراءة بكاملها أوثواب مستمع؟. فهاتان مسألتان، الثانيةُ منهما مفرعة عن الأولى. وقدقدمت مذهب الحنابلة في ذلك وأن القارئ إذا قصد بقراء ته أنها عن الميت نفعته ووصل ثوابها له. وأن منهم من قال لايشترط القصد أبتداء بل إذا قرأ ثم أهدى ثواب ذلك للميت وصل إليه. وذكرت مارجح به القول الأول وعلى القولين فلا فرق عند هؤلاء بين القراءة عند القبر أوغائبا عنه وكان ثواب القراءة يحصل للميت في الحالين ومسألة المستمع بحثها بعض الشافعية بناء على قاعدتين أحدهما عدم صحة إهداء الثواب والأخرى أن الأرواح بأفنية القبور أوأنها فى مستقرها ولها اتصال بالقبر وببدن الميت اتصالا معنويا بحيث يحس البدن بالتنعيم والتعذيب كما تقرر تقريره وعلي هذا فيستمع الميت القراءة وإذا استمع حصل له ثواب مستمع وهذا قدتورط قائله في هل أن إدراك هو سماعه

ليس كإدراك المكلفين لكن ذلك راجع إلى فضل الله تعالى في جوز أن يتفضل على هذا الميت بذلك.

وسلك بعض الشافعية في ثواب القراءة مسلكا آخر فقال: إن قصد القراءة عن الميت لم يصح وإن قرأ لنفسه ثم دعا الله أن يجعل ذلك الثواب للميت أمكن أن يصل إليه ويكون ذلك من جملة مايدعو به له فأمره إلى الله تعالى إن شاء استجابه وإن شاء رده. وهذا لاينافيه قول من قال منهم إن إهداء الثواب لايصح لأن العبد لاتصرف له في العباد اتباالهباتك ما جعل له ذلك في المال لأن ذلك إنما هو حيث يقصد بالقراءة أن يكون ثوابها للميت أو يقول جعلت ثوابي للميت وهذا بخلاف ما ذكر من الدعاء إلا أن الذي جنح إلى مسألة الدعاء لايتهيأ له الجزم بوصوله الثواب إلى الميت كما تقدم.

وقد وردت عن السلف آثار قليلة في القراءة عند القبر ثم استمر عمل الناس عليه من عهد أئمة الأمصار إلى زماننا هذا فأجبت في ذلك ما أخرجه الخلال في كتاب «الجامع» له قال: حدثنا العباس بن أحمد الدورى قال: «سألت أحمد بن حنبل تحفظ في القراءة علي القبور شيئا؟ قال: لا.

قال: وسألت يحيى بن معين، فحدثني عن مبشر بن إسماعيل الحلبي، قال حدثني عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه، قال: قال: إني إذا أنا مت فضعني في اللحد وقل بسم الله وعلي سنة رسول

الله وسن علي التراب سنا واقرأ عند رأسي بفاتحة الكتاب وأول البقرة وخاتمتها فإني سمعت ابن عمر يوص بذلك.(١)

ثم أخرج الخلال من وجه آخر أن أحمد كان في جنازة فلما دفن الميت جاء رجل ضرير يقرأ عند القبر فقال له أحمد يا هذا إن القراءة عند القبر بدعة فقال له محمد بن قدامة: ياأباعبدالله ماتقول في مبشر الحلبي؟ قال: ثقة فذكر له عنه هذا الحديث، فقال له أحمد: ارجع إلى الرجل وقل له يقرأ.(٢)

وقال الخلال أيضا: حدثنا أبو بكر المروزي سمعت أحمد بن محمد بن حنبل يقول إذا دخلتم المقابر فاقرأوا بفاتحة الكتاب والمعوذتين و﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ واجعلوا ذلك لأهل المقابر فإنه يصل إليهم.

وروى أيضا عن الزعفراني قال سألت الشافعي رضي الله عنه القراءة عند القبر فقال: لابأس به.(٣)

---

(١) اس حدیث کو محقق نے "منکر" کہا ہے جبکہ جبکہ یہ حدیث صحیح یا کم از کم حسن درجے کی ہے، جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں کر دی گئی ہے۔

(٢) اس حدیث کو محقق نے "ضعیف جدا" کہا ہے، جبکہ حضرت لجلاج کی حدیث سے قطع نظر اس واقعے کی صحت کے بارے میں بھی مذہب حنبلی کے ضمن تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

(٣) اس روایت کو محقق نے "حسن" کہا ہے، ہم نے بھی تفصیل سے اس کی صحت کے بارے میں مذہب شافعی میں تفصیل بیان کی ہے۔

وهذا نص غريب عن الشافعي، والزعفراني من رواة القديم وهو ثقة وإذا لم يرد في الجديد مايخالف منصوص القديم فهو معمول به ولكنى لزم من ذلك أن يكون الشافعي قائلا بوصول ثواب القرآن لأن القرآن أشرف الذكر والذكر يحتمل به بركة للمكان الذي يقع فيه وتعم تلك البركة سكان المكان.

وأصل ذلك وضع الجريدتين في القبر بناء علي أن فائدتها أنهما مادامتا رطبتين تسبحان فتحصل البركة بتسبيحهما لصاحب القبر ولهذا جعل غاية التخفيف جفافهما وهذا على بعض التأويلات في ذلك وإذا حصلت البركة بتسبيح الجمادات فبالقرآن الذي هو أشرف الذكر من الآدمي الذي هو أشرف الحيوان أولي بحصول البركة بقراءته ولاسيما إن كان القارئ رجلا صالحا. والله أعلم».[1]

••••

---

(١) الإمتاع بالأربعين المتباينة السماع ص٨٥.

مذہب حنبلی کی روشنی میں:

قبر کے پاس قرآن کی تلاوت اور امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبل شروع شروع میں قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اور اس کو بدعت فرماتے تھے، کیونکہ ان کے علم میں اس بارے میں کوئی جواز کی دلیل نہیں تھی۔

چنانچہ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں: "کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا، ان سے کسی نے قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا یہ ثابت نہیں"۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

«سمعت أحمد سئل عن القراءة عند القبر؟ فقال: لا». [1]

اور امام عباس دوریؒ فرماتے ہیں: "کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس بارے میں مجھے کچھ یاد نہیں"۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

«[٥٤١٤] سألتُ أحمد بن حنبل ما يقرأ عند القبر؟ فقال: ما أحفظ فيه شيئا». [2]

---

(١) مسائل الإمام أحمد بن حنبل ص١٥٨.

(٢) تاريخ يحيى بن معين رواية الدوري ٢/ ٣٨٠، وكذا في القراءة عند القبور ص١، و الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ١/ ٢٩٢ للخلال.

لیکن ایک موقع پر جب محدث محمد بن قدامہ جوہریؒ نے ان کے سامنے حدیث ابن عمرؓ پیش کی تو انہوں نے رجوع فرمایا، جیسے امام خلالؒ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔

اس کے بعد متعدد علماء کرام نے امام احمدؒ کا یہ رجوع نقل کیا ہے، اور اسی بنا پر ائمہ حنابلہ نے بھی جواز کا فتوی دیا ہے، جیسا کہ آگے ان کی عبارات میں آئے گا۔

علامہ البانیؒ کی رائے:

البتہ اس سلسلے میں علامہ البانیؒ امام احمدؒ کے رجوع کے قائل نہیں ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ایک تو حسن بن احمد وراق کا ترجمہ مجھے نہیں ملا، اور اسی طرح علی بن موسی حداد بھی غیر معروف ہے، اگرچہ اسی سند میں اس کے لئے صدوق کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، لیکن بظاہر یہ حسن بن احمد وراق کے الفاظ ہیں، اور حسن وراق خود مجہول ہے، لہذا اس کے اس قول کا اعتبار نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے، تو یہ امام ابوداودؒ کی روایت کے بنسبت خاص ہے، لہذا ان دونوں روایتوں کے درمیان موافقت ہو سکتی ہے، کہ صرف دفن کے وقت قرآن پڑھنا جائز ہے۔

علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

«فالجواب عنه من وجوه:

الأول: إن في ثبوت هذه القصة عن أحمد نظر، لأن شيخ الخلال الحسن بن أحمد الوراق لم أجد ترجمة فيما عندي الآن من كتب الرجال. وكذلك شيخه علي بن موسى الحداد لم أعرفه، وإن قيل في السند أنه كان صدوقا، فإن الظاهر أن القائل هو الوراق هذا، وقد عرفت حاله.

الثاني: إنه ثبت ذلك عنه، فإنه أخص مما رواه أبوداود عنه، وينتج من الجمع بين الروايتين عنه أن مذهبه كراهة القراءة عند القبر إلا عند الدفن».[1]

جواب:[2]

لیکن جیسا کہ گذر گیا علامہ خلالؒ نے یہ قصہ دو سندوں سے ذکر کیا ہے، اور دوسری روایت کے راوی بھی مشہور ہیں، پہلی روایت کے راویوں سے متعلق علامہ البانیؒ نے کوئی قابل ذکر جرح بھی نقل نہیں کی ہے، بلکہ یہ لکھا ہے کہ مجھے ان کا ترجمہ نہیں ملا ہے، نیچے اس قصہ کی اسنادی حیثیت پیش کی جاتی ہے۔

یہ قصہ امام خلالؒ نے دو سندوں کے ساتھ کے نقل کیا ہے، پہلی سند میں امام خلالؒ نے یہ قصہ اپنے شیخ حسن بن احمد وراقؒ سے، انہوں نے علی بن موسی حدادؒ سے، اور انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن قدامہ جوہریؒ سے نقل کیا ہے۔

اور دوسری سند میں امام خلالؒ نے یہ قصہ اپنے شیخ ابو بکر بن صدقہؒ سے، اور انہوں نے عثمان بن احمد موصلی سے، اور انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن قدامہ جوہریؒ سے۔

---

(۱) أحكام الجنائز ص۱۹۲.

(۲) علامہ البانی پر جس طرح تفصیلی رد ہم نے کی تھی تقریباً اسی طرح علامہ محمود سعید ممدوح نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو: كشف الستور عما أشكل من أحكام القبور ص ۲۳۲-۲۳۳.

پہلی سند کے راویوں کے حالات:

(۱) حسن بن احمد وراقؒ:

یہ امام خلالؒ کے شیخ ہیں، امام خلالؒ نے ان سے بہت استفادہ کیا ہے، چنانچہ قاضی ابن ابی یعلی حنبلیؒ اپنی کتاب «طبقات الحنابلہ» میں موسی بن عیسی جصاص بغدادیؒ کے ترجمہ میں امام خلالؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

«ذكره الخلال فقال: ... وكانت عنده مسائل كثيرة عن أبي عبدالله، فحدثني بشيء صالح الحسن بن أحمد الوراق وقال: إن الباقي ضاع مني، فمضيت إلى الحربية إلى منزل ابنته قلنا: لعلنا نجد الأصول وحرصنا على ذلك فلم نقدر منها على شيء». [۱]

[ترجمہ] "امام خلالؒ فرماتے ہیں:... موسی بن عیسی کے پاس ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبلؒ کے بہت مسائل تھے، جن میں سے ایک اچھی مقدار ہم سے امام حسن بن احمد وراقؒ نے بیان کی ہیں، اور انہوں نے فرمایا کہ باقی مجھ سے ضائع ہو گئی ہے، تو میں حربیہ میں ان کی بیٹی کے گھر گیا، ہم سمجھ رہے تھے کہ شاید ہمیں کچھ مزید مسودات مل جائیں گے، لیکن کچھ نہ مل سکا"۔

اس عبارت سے امام حسن وراقؒ کی جہالت ختم ہو جاتی ہے، ان کی شہرت اور تعریف کے لیے اس قدر کافی ہے، کہ وہ امام خلالؒ کے شیخ اور امام موسی بن عیسیؒ کے شاگرد ہیں، اور ان کے پاس امام احمد بن حنبلؒ کے بہت مسائل اور کتابیں تھیں، یہاں

---

(۱) أحكام الجنائز ١٩٢.

چونکہ کسی حدیث کے رجال کی توثیق مقصود نہیں، بلکہ ایک تاریخی روایت کی حقیقت مقصود ہے، لہذا اس کے لیے امام وراقؒ کی اتنی شہرت کافی ہے، جبکہ یہ تاریخی حقیقت ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

حسن بن احمد وراقؒ کے حالات کے بارے میں بعض نے جو یہ لکھا کہ علامہ ابن عساکرؒ نے اس کے حالات «تاریخ دمشق» ۳۰۲/۴ میں لکھے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں:

«وإن ترجم ابن عساكر الوراق في تاريخه (٤/ ٣٠٢) ولم يذكر جرحا وتعديلا فيه».[1]

لیکن یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے مراد وہی ہے، بندہ کے سامنے ایسے کئی حضرات تراجم کی کتابوں میں سامنے گذرے جن کا نام حسن بن احمد وراق تھا، لیکن زمانی اعتبار سے وہ علامہ خلالؒ کے استاذ وشیخ نہیں بن سکتے تھے۔

(۲) علی بن موسی حدادؒ

علامہ ابن نجارؒ نے اپنی کتب «ذيل تاريخ بغداد» میں ان کا ترجمہ نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

«[٩٧٢] علي بن موسى الحداد روى عن أبي عبدالله أحمد بن حنبل ومحمد بن قدامة الجوهري، أنبأنا عبدالوهاب بن علي، عن محمد بن عبدالباقي الأنصاري، أن إبراهيم بن عمر البرمكي، أخبره عن

---

(١) الإمتاع بالأربعين المتباينة السماع ص ٨٥.

عبدالعزيز بن جعفر بن أحمد الفقيه، أنبأنا أبوبكر أحمد بن محمد ابن هارون الخلال... ». [1]

اس کے بعد علامہ ابن نجارؒ نے امام خلالؒ سے امام احمدؒ اور امام محمد بن قدامہ جوہری کا قصہ نقل کیا ہے۔ نیز علی بن موسی حدادؒ کے بارے میں خود امام خلالؒ نے بھی توثیق کے الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں: «وكان صدوقا، وكان ابن حماد المقرئ يرشد إليه». (اور وہ صدوق (سچے) ہیں، اور علامہ ابن حماد مقری ان کی طرف رہنمائی فرماتے تھے)، اگرچہ یہ جملہ امام وراقؒ کا ہو، جب بھی یہ الفاظ ان کی شہرت اور عدالت کے لئے کافی ہیں، کیونکہ امام وراقؒ بھی کوئی مجہول راوی نہیں، پیچھے ان کی تعریف کے بارے میں گذر گیا ہے، جبکہ یہ قصہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

دوسری سند کے راویوں کے حالات:

امام خلالؒ نے یہ قصہ دوسری سند کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے، اس میں دو راوی ہیں:

(۱) ابوبکر بن صدقہؒ (۲) عثمان بن احمد بن ابراہیم موصلیؒ۔

(۱) ابوبکر بن صدقہؒ:

یہ ابوبکر احمد بن محمد بن عبداللہ بن صدقہ بغدادی ہیں، علامہ ذہبیؒ نے ان کو "حافظ" کے لقب سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ موصوف نے امام احمدؒ سے مدون مسائل

---

(١) ذيل تاريخ بغداد ٤/ ١٤٥.

حاصل کیے ہیں، اور ان سے امام خلالؒ وغیرہ نے استفادہ کیا ہے۔[1] ان کا انتقال ۲۹۳ھ کو ہوا ہے۔[2]

(۲) عثمان بن احمد بن ابراہیم موصلیؒ:

قاضی ابو یعلیؒ فرماتے ہیں کہ عثمان بن احمد موصلیؒ ہمارے امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ رہے ہیں، اور ان سے بہت سے مسائل نقل کیے ہیں، اس کے بعد قاضی ابو یعلیؒ نے مذکورہ قصہ بھی ان کے حوالے سے نقل کیا ہے، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«عثمان بن أحمد الموصلي، صحب إمامنا وروى عنه أشياء، منها مانقلته من المجموع لأبي حفص البرمكي، قال: كان أبوعبدالله أحمد بن حنبل في جنازة فلما انتهى إلى القبر رأى رجلاً يقرأ على القبر فقال أقيموه إلي، وقائم إلى جنبه محمد بن قدامة الجوهري فقال له يا أباعبدالله كيف مبشر بن إسماعيل عندك فقال: ثقة. فقال: فإنه حدثنا عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج قال: قال لي أبي: إذا أنا مت فوضعتني في لحدي فسوّ قبري واقعد عند قبري واقرأ فاتحة سورة البقرة وخاتمتها فإني رأيت ابن عمر يفعل ذلك. فقال أبوعبدالله ابعثوا إلي ذلك فردوه».[3]

---

(١) تاريخ الإسلام ٥/ ٢٤١.

(٢) نیز ملاحظہ ہو: طبقات الحنابلة ١/ ١٥٦.

(٣) طبقات الحنابلة ٢/ ١١٥.

حنابلہ کا مفتی بہ مسلک:

الغرض یہ قصہ دو سندوں سے منقول ہے، اور دونوں سندیں اس لائق ہیں کہ ان سے یہ تاریخی خبر قبول کی جاسکے، اسی بنا پر متعدد حنبلی مسلک کے محدثین اور فقہاء نے امام احمد بن حنبلؒ کا اصح مسلک بھی نقل کیا ہے کہ قبر کے پاس قرآن کی تلاوت جائز ہے مکروہ نہیں ہے، اور ان کا یہ رجوع بھی نقل کیا ہے۔

ابن قدامہؒ کا حوالہ:

چنانچہ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ مقدسی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

«ولاتكره القراءة على القبر في أصح الروايتين، وأي قربة فعلها وجعلها للميت المسلم نفعه ذلك». (۱)

اور علامہ ابن قدامہؒ ایک اور جگہ تفصیل سے لکھتے ہیں:

«فصل: قال ولا بأس بالقراءة عند القبر، وقد روي عن أحمد أنه قال: إذا دخلتم المقابر اقرأوا آية الكرسي وثلاث مرات ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ثم قل: اللهم إن فضله لأهل المقابر. وروي عنه أنه قال: القراءة عند القبر بدعة. وروى ذلك عنه هشيم. قال أبوبكر: نقل ذلك عن أحمد جماعة، ثم رجع رجوعا أبان فيه عن نفسه، فروى جماعة أن أحمد نهى ضريرا أن يقرأ عند القبر، وقال له: إن القراءة عند القبر بدعة، فقال له محمد بن قدامة الجوهري: يا أباعبدالله! ماتقول في

---

(۱) المقنع في فقه إمام السنة أحمد بن حنبل ۱/ ۲۸۲-۲۸۳.

مبشر الحلبي؟ قال: ثقة. قال: فأخبرني مبشر عن عبدالرحمن بن العلاء ابن اللجلاج عن أبيه أنه أوصى إذا دفن، يقرأ عنده بفاتحة البقرة وخاتمتها، وقال: سمعت ابن عمر يوصي بذلك.

وقال الخلال: حدثني أبوعلي الحسن بن الهيثم البزار شيخنا الثقة المأمون قال رأيت أحمد بن حنبل يصلي خلف ضرير يقرأ على القبور. وقد روى عن النبي ﷺ أنه قال: من دخل المقابر فقرأ يس خفف عنهم يومئذ وكان له بعدد من فيها حسنات. وروي عنه عليه السلام: من زار قبر والديه أو أحدهما فقرأ عنده أوعندهما يس غفر له.[1]

امام احمد بن حنبلؒ کے دیگر اقوال:

امام احمد بن حنبلؒ سے بعض دیگر اقوال بھی منقول ہیں، جن سے ان کا رجوع ثابت ہوتا ہے، چنانچہ امام خلالؒ لکھتے ہیں:

(۲) «أخبرني العباس بن محمد بن أحمد بن عبدالعزيز، قال: حدثنا جعفر [بن محمد] بن الحسين [الحسن] النيسابوري، عن سلمة بن شبيب، قال: أتيت أحمد بن حنبل فقلت له: إن عفان يقرأ عند قبر في المصحف، فقال له أحمد بن حنبل: ختم له بخير».[2]

---

(۱) المغني لابن قدامة ۳/ ۵۱۸-۵۱۹، طبع القاهرة.

(۲) القراءة عندالقبور ص ۱و الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۱/ ۲۹۲ للخلال.

[ترجمہ]: "سلمہ بن شبیبؒ فرماتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ امام عفانؒ قبر کے پاس قرآن مجید میں تلاوت کر رہے تھے، تو امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا اس کا خاتمہ بالخیر ہو"

اس روایت میں ابوالفضل جعفر بن محمد بن حسین نیسابوریؒ ثقہ ہیں، ان کی وفات ۲۹۲ھ ہے، علامہ ذہبیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے: «من الثقات الأثبات»[1] اور ابو عبدالرحمن سلمہ بن شبیب نیسابوری مسمعیؒ بھی ثقہ ہیں، ان کی وفات ۲۴۶ھ ہوئی۔[2]

اور اس روایت میں جس عفان کا تذکرہ ہے، وہ امام ابو عثمان عفان بن مسلم بن عبداللہ صفار بصریؒ ہے، جن کی ولادت ۱۳۴ھ، اور وفات ۲۲۰ھ ہے، یہ صحاح ستہ کے راوی ہے، اور ثقہ ہیں۔[3]

(۳) اور امام خلالؒ فرماتے ہیں:

«أخبرني الحسن بن الهيثم البزار قال: رأيت أحمد بن حنبل يصلي خلف ضرير يقرأ عند القبر».[4]

---

(۱) تاریخ الإسلام ٦/ ٩٢٣.

(۲) ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب ٤/ ١٢٩، تقريب التهذيب ١/ ٣٧٧.

(۳) ان کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب ٧/ ٢٠٥.

(٤) القراءة عند القبور ص١.

[ترجمہ] "حسن بن ہیثم فرماتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ کو دیکھا کہ وہ ایک نابینا کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جو قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کرتا تھا"

(۴) اور امام خلالؒ کے شاگرد علامہ ابو بکر عبدالعزیز بن جعفر [۲۸۵ھ / ۳۶۳ھ] اپنی کتاب «الشافي» میں لکھتے ہیں:

«قال محمد بن أحمد المروروذي سمعت أحمد بن حنبل أنه قال: إذا دخلتم المقابر اقرأوا آية الكرسي وثلاث مرات ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ﴾ ثم قل: اللهم إن فضله أهل المقابر».[1]

[ترجمہ] "علامہ مروزیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو جاؤ تو آية الكرسي اور تین مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھو، اور پھر کہو یا اللہ! اس کا ثواب قبرستان والوں کے لیے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ عام اوقات میں بھی قبرستان میں قرآن پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ اور مذہب امام احمد بن حنبلؒ:

علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ [٦٦١ھ / ٧٢٨ھ] نے اس مسئلے سے متعلق تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اور اس ضمن میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے حوالے سے بھی تفصیل نقل کی ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عبارت نقل کی جائے، وہ لکھتے ہیں:

---

(١) المغني لابن قدامة ٣/ ٥١٨-٥١٩.

«لكن اختلفوا في القراءة عند القبور هل تكره أم لا تكره؟ والمسألة مشهورة وفيها ثلاث روايات عن أحمد: إحداه: أن ذلك لابأس به. وهي اختيار الخلال وصاحبه وأكثر المتأخرين من أصحابه. وقالوا: هذه الرواية المتأخرة عن أحمد وقول جماعة من أصحاب أبي حنيفة، واعتمدوا على ما نقل عن ابن عمر أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتيح البقرة وخواتيمها. ونقل أيضا عن بعض المهاجرين قراءة سورة البقرة.

والثانية: أن ذلك مكروه. حتى اختلف هؤلاء هل تقرأ الفاتحة في صلاة الجنازة إذا صلى عليها في المقبرة، وفيه عن أحمد روايتان وهذه الرواية هي التي رواها أكثر أصحابه عنه وعليه قدماء أصحابه الذين صحبوه كعبدالوهاب وأبي بكر المروزي ونحوهما وهي مذهب جمهور السلف كأبي حنيفة ومالك وهشيم بن بشير وغيرهم، ولايحفظ عن الشافعي نفسه في هذه المسألة كلام. وذلك لأن ذلك كان عنده بدعة. وقال مالك: ماعلمت أحدا يفعل ذلك. فعلم أن الصحابة والتابعين ماكانوا يفعلونه.

والثالثة: أن القراءة عنده وقت الدفن لابأس بها. كما نقل عن ابن عمر رضي الله عنه وبعض المهاجرين وأما القراءة بعد ذلك، مثل الذين ينتابون القبر للقراءة عنده فهذا مكروه، فإنه لم ينقل عن أحد من السلف مثل ذلك أصلا. وهذه الرواية لعلها أقوى من غيرها لما فيها من التوفيق بين الدلائل. والذين كرهوا القراءة عند القبر كرهها

بعضهم وإن لم يقصد القراءة هناك، كما تكره الصلاة، فإن أحمد نهى القراءة عند القبر، ومع هذا فالفرق بين مايفعل ضمنا وتبعا وما يفعل لأجل القبر بيّن كما تقدم». [1]

[ترجمہ] "قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ مکروہ ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ بہت مشہور ہے، اور اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے کئی روایات ہیں۔

پہلی روایت: اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس کو امام خلالؒ اور ان کے شاگرد متاخرین حنابلہ نے پسند کیا ہے، اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہی امام احمدؒ کی آخری روایت ہے، اور یہی حنفیہ کی ایک جماعت کی رائے ہے، ان حضرات نے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت پر اعتماد کیا ہے کہ انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے قبر کے پاس دفن کے بعد سورت بقرہ کا شروع اور آخر پڑھا جائے، اور بعض مہاجرین صحابہ کرام سے بھی سورت بقرہ کی قراءت ثابت ہے۔

دوسری روایت: یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

اس فریق کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر مقبرہ میں نماز جنازہ پڑھی جائے تو پھر سورت فاتحہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں منقول ہیں، اور یہ روایت امام احمدؒ کے اکثر شاگردوں نے روایت کی ہے۔ اور اسی مسلک پہ ان کے

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم ۲/ ۷۳٦-۷۳۷.

قدیم شاگرد ہیں، جیسے عبدالوہاب وراقؒ اورابو بکر مروزیؒ اوران جیسے دیگر،اور یہی جمہور سلف کامسلک ہے ، جیسے امام ابو حنیفہؒ ، امام مالکؒ اورامام ہشیم بن بشیرؒ وغیرہ،اورامام شافعیؒ سے خوداس مسئلے کے بارے میں کوئی کلام محفوظ نہیں،اور یہ اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک یہ بدعت ہے،اورامام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ کسی نے یہ کیاہو،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین یہ نہیں کرتے تھے۔

تیسری روایت :یہ ہے کہ دفن کے وقت قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔جیساکہ حضرت ابن عمرؓ اوردیگر بعض مہاجرین صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے،اورلوگوں کی جوعادت ہے کہ دفن کے بعدباری باری قرآن پڑھنے کے لیے آتے ہیں تو یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ سلف میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔اور یہ روایت شاید تمام روایتوں میں زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کی بناپر تمام دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے۔اور جن حضرات نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کومکروہ قرار دیاہے،ان میں سے بعض نے اس صورت کو بھی مکروہ قراردیاہے کہ اگرچہ کسی کاوہاں پر قرآن پڑھنے کاارادہ نہ ہو،جیساکہ قبر کے پاس نماز مکروہ ہے،کیونکہ امام احمدؒ نے مقبرہ میں نماز پڑھنے کی صورت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا ہے اوریہ بات واضح ہے کہ نماز میں قرآن مجید پڑھنابذاتہ مقصود نہیں ہے، بہرحال جو کام ضمنا اور تبعاکیاجاتاہے اس میں اور جوکام قبر کی نیت سے کیاجائے اس میں واضح فرق ہے،جیساکہ گذرگیا"۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت کاتجزیہ:

اس عبارت میں علامہ ابن تیمیہؒ نے مکمل صراحت کے ساتھ اپناذاتی مسلک واضح نہیں کیاہے،یہی بات علامہ ابن تیمیہؒ کے ہاں دیگر بحثوں میں بھی پائی جاتی ہے، وہ ایک

مسئلہ سے متعلق عبارات کا ایک ہجوم چھوڑ جاتے ہیں، لیکن وضاحت کے ساتھ دوٹوک انداز میں اپنا راجح مسلک واضح نہیں کرتے، البتہ اگر ان کی اس عبارت میں غور کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ انہوں نے تیسری روایت کو راجح قرار دیا ہے، اور یہ ہے کہ دفن کے وقت قرآن مجید کی قراءت چونکہ ثابت ہے لہذا یہ تو جائز ہے اور بدعت نہیں ہے، لیکن مستقل طور پر اس کی عادت نہیں بنانی چاہیے کہ باری باری آکر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے یہ الفاظ اس روایت کی ترجیح پہ دلالت کرتے ہیں: «وهذه الرواية لعلها أقوى من غيرها لما فيها من التوفيق بين الدلائل».

(اور یہ روایت شاید تمام روایتوں میں زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کی بنا پر تمام دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی اس عبارت میں بعض باتیں تحقیق طلب ہیں، یہاں اس سے متعلق بھی مختصر کلام فائدہ سے خالی نہیں، ملاحظہ ہو:

(۱) بظاہر علامہ ابن تیمیہؒ نے ابن عمرؓ کے حدیث کا اصلی مصادر کی طرف مراجعت نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو صرف ابن عمرؓ کی وصیت قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ دو مرفوع حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔

(۲) علامہ ابن تیمیہؒ نے امام شافعیؒ کے مذہب سے متعلق جو لکھا ہے کہ: "اور امام شافعیؒ سے خود اس مسئلے کے بارے میں کوئی کلام محفوظ نہیں، اور یہ اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک یہ بدعت ہے"

یہ درست نہیں، کیونکہ امام شافعیؒ سے باقاعدہ سند کے ساتھ قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جواز ثابت ہے، جیسا کہ "مذہب شافعیؒ" کی بحث میں تفصیل سے نقل کیا گیا ہے۔

شیخ محمود سعید ممدوح لکھتے ہیں:

قال العبد الضعيف: أخطأ ابن تيمية على الإمام الشافعي رحمه الله تعالى، فنفى الثابت عنه، وقوّله ما لم يقله.[1]

(۳) علامہ ابن تیمیہؒ نے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا جو مسلک نقل کیا ہے، ہمیں اس میں بھی تردد ہے، کیونکہ ابھی تک اس کی کوئی سند نہیں ملی۔

(۴) اور انہوں نے امام مالکؒ کے کلام کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین یہ نہیں کرتے تھے" یہ بھی درست نہیں، کیونکہ یہ صحابہ اور تابعین سے یہ ثابت ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ سے متعلق اپنے فتاویٰ میں بھی بحث کی ہے، ملاحظہ ہو:

«وأما القراءة الدائمة على القبور فلم تكن معروفة عند السلف. وقدتنازع الناس في القراءة على القبر فكرهها أبوحنيفة ومالك وأحمد في أكثر الروايات عنه، ورخص فيها في الرواية المتأخرة لما بلغه أن عبدالله بن عمر أوصى أن يقرأ عند دفنه بفواتح البقرة وخواتمها.

---

(۱) كشف الستور ص۲٤۲.

وقدنقل عن بعض الأنصار أنه أوصى عند قبره بالبقرة وهذا إنما كان عند الدفن، فأما بعد ذلك فلم ينقل عنهم شيء من ذلك، ولهذا فرق في القول الثالث بين القراءة حين الدفن والقراءة الراتبة بعد الدفن، فإن هذا بدعة لا يعرف لها أصل».[1]

امام خلال اور مذہب امام احمد بن حنبلؒ:

امام خلالؒ کا ذکر پچھلے صفحات میں کئی بار آیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کا کچھ تذکرہ ہو جائے، امام خلالؒ کا فقہ حنبلی میں بہت بلند مقام ہے، علامہ ذہبیؒ نے ایک مقام پر بہت بلند الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کے حالات میں ان کے شاگردوں کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"امام احمدؒ کے ان تمام شاگردوں کے پاس امام احمدؒ کے جتنے بھی اقوال اور فتاوی تھے اور علل، رجال، سنت اور فروعی مسائل سے متعلق جتنے بھی ارشادات تھے، وہ سب کے سب امام ابو بکر خلالؒ نے جمع کئے ہیں، یہاں تک کہ امام خلالؒ کے پاس اتنا مواد اکٹھا ہو گیا جن کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بہت زیادہ ہیں۔

اور امام خلالؒ نے اس کے حصول کے لئے اطراف واکناف کا سفر کیا، اور امام احمدؒ کے تقریباً سو شاگردوں سے ان کے علوم کو لکھا، پھر ان کے شاگردوں کے شاگردوں سے ان کے علوم کو لکھا، اور بعض مرتبہ انہوں نے ایک استاذ سے، انہوں نے اپنے استاذ سے، انہوں نے اپنے استاذ سے، اور انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے (یعنی امام

---

(١) فتاوى ابن تيمية ٢٤/ ٣١٧.

احمدؒ تک تین واسطے ہوتے ہیں)۔ امام خلالؒ نے جب یہ علوم حاصل کیے، تو اس کے بعد ان کی تدوین، تہذیب اور ترتیب میں مشغول ہو گئے، اور "كتاب العلم"، "كتاب العلل" اور "كتاب السنة" لکھیں، ان میں سے ہر ایک تین تین جلدوں میں ہے۔ اور ان کتابوں میں امام خلالؒ نے امام احمدؒ کے ہم عصر ائمہ جیسے امام ابن عیینہؒ، امام وکیعؒ اور امام بقیہؒ کے شاگردوں سے اتنی عالی سندوں کے ساتھ احادیث کی روایت کی ہے، جو ان کی امامت اور بلند مرتبہ کی دلیل ہے۔ اور انہوں نے "كتاب الجامع" دس سے زیادہ جلدوں میں لکھی۔ اور خود امام خلالؒ اپنی کتاب "أخلاق أحمد بن حنبل" میں اپنے بارے یوں فرماتے ہیں: ایسا کوئی شخص نہیں جس نے ابو عبد اللہ امام احمدؒ کے مسائل کا اس قدر اہتمام کیا ہو جتنا میں نے کیا ہے، اور اسی طرح امام ابو بکر مروزیؒ بھی مجھ سے فرماتے تھے کہ ابو عبد اللہ امام احمدؒ کے مسائل کا جس قدر اہتمام آپ نے کیا ہے اتنا کسی نہیں کیا ہے، البتہ ہمدان کے ایک اور شخص ہے، جن کا لقب مثویہ ہے، اور اس کا نام محمد بن ابی عبد اللہ ہے انہوں نے ستر ضخیم جلدیں لکھی ہیں۔ اور امام خلالؒ کی ولادت امام احمدؒ کی زندگی میں ہوئی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ انہوں نے بچپنے میں امام احمدؒ کی زیارت کی ہو۔

علامہ ذہبیؒ کے الفاظ ملاحظہ ہو:

«وجمع أبوبكر الخلال سائر ما عند هؤلاء من أقوال أحمد وفتاوية وكلامه في العلل والرجال والسنة والفروع حتى حصل عنده من ذلك ما لايوصف كثرة. ورحل إلى النواحي في تحصيله وكتب عن نحو مئة نفس من أصحاب الإمام. ثم كتب كثيرا من ذلك عن أصحاب أصحابه، وبعضه عن رجل، عن آخر، عن آخر، عن الإمام أحمد ثم أخذ في ترتيب ذلك وتهذيبه وتبويبه وعمل كتاب «العلم» وكتاب

«العلل» وكتاب «السنة» كل واحد من الثلاثة في ثلاث مجلدات. ويروي في غضون ذلك من الأحاديث العالية عنده، عن أقران أحمد من أصحاب ابن عيينة ووكيع و بقية مما يشهد له بالإمامة والتقدم. وألف كتاب «الجامع» في بضعة عشر مجلدة أو أكثر. وقد قال في كتاب «أخلاق أحمدبن حنبل»: لم يكن أحد علمت عني بمسائل أبي عبدالله قط ما عنيت بها أنا، وكذلك كان أبوبكر المروزي رحمه الله يقول لي: إنه لم يعن بمسائل أبي عبدالله ما عنيت بها أنت إلا رجل بهمذان يقال له متّويه، واسمه محمد بن أبي عبدالله، جمع سبعين جزءا كبارا. ومولد الخلال كان في حياة الإمام أحمد يمكن أن يكون رآه وهو صبي».[1]

اور علامہ ذہبیؒ امام خلالؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

«ثم إنه صنف كتاب «الجامع في الفقه» من كلام الإمام، بأخبرنا وحدثنا، ويكون عشرين مجلدا، وصنف كتاب «العلل» عن أحمد في ثلاث مجلدات، وألف كتاب «السنة وألفاظ أحمد، والدليل على ذلك» في ثلاث مجلدات، تدل على إمامته وسعة علمه، ولم يكن قبله للإمام مذهب مستقل، حتى تتبعه ونصوص أحمد، ودوّنها وبرهنها بعد الثلاث مئة، فرحمه الله تعالى۔ قال أبوبكر بن شهريار: كلّنا تبع لأبي بكر

(۱) سير أعلام النبلاء ۱۱/ ۳۳۱.

الخلال، لم يسبقه إلى جمع علم الإمام أحمد أحد. قلت: الرواية عنه عزيزة».[1]

امام خلالؒ کا یہ تفصیلی تذکرہ اس لیے کیا گیا؛ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ امام خلالؒ کا حنبلی فقہاء کرام میں کیا مقام ہے؟ اور وہ امام احمدؒ کا جو مذہب نقل کرے اس کی کیا حیثیت ہو گی؟ پیچھے اس کتاب میں تفصیل سے ان کے حوالے گذر چکے ہیں، وہ قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کے جواز کے قائل ہیں، اور انہوں نے امام احمدؒ کا مسلک بھی جواز کا نقل کیا ہے۔

☆☆☆

---

(١) سير أعلام النبلاء ١٤/ ٢٩٧-٢٩٨.

اکابر علماء دیوبند کی آراء و فتاوی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کے سلسلے میں اکابر علماء دیوبند کا نقطہ نظر بھی ذکر کیا جائے، اکابر علماء دیوبند اگرچہ حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، اور حنفیہ کا مفتی بہ مسلک جواز کا پہلے بیان کیا گیا، تاہم خصوصیت کے ساتھ ان حضرات کی عبارتیں بھی نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) مفتی رشید احمد گنگوہی[۱۲۴۴ھ/۱۳۲۳ھ]:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد شہادت کی انگلی سرہانے اور پائینتیں رکھ کر دو شخص اول آخر سورۂ بقرہ پڑھتے ہیں، درست ہے یا نہیں؟

جواب: اول آخر سورۂ بقرہ پڑھنا تو حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، مگر خصوصیت انگلی کی نہیں ہے، فقط "۔[۱]

اور ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"سوال: قبرستان میں قرآن شریف آواز سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: قبرستان میں قرآن شریف پکار کر اور آہستہ دیکھ کر اور حفظ سب طرح پڑھنا درست ہے، فقط"[۲]

---

(۱) فتاوی رشیدیہ ص ۲۶۷۔

(۲) فتاوی رشیدیہ ص ۲۶۶۔

اور ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"جواب: قبر پر قرآن پڑھوانا درست ہے اگر لوجہ اللہ تعالی ہو، اجرت کا خیال دونوں کا نہ ہو، اور جو حسب قاعدہ و عرف دیا جاتا ہے وہ بھی بحکم اجرت ہے، ایسے پڑھنے کا ثواب نہیں ہوتا، نہ قاری کو نہ میت کو، اور سوم، تیجہ، دسویں وغیرہا میں جانا منع ہے"۔(۱)

۲-مولانا اشرف علی تھانویؒ [۱۲۸۰ھ/۱۳۶۲ھ]:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"بعد دفن اول سورہ بقرہ اور آخر اس کا قبر پر پڑھنا ابن عمرؓ سے ثابت ہے: «فكان ابن عمر يستحب أن يقرأ بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها». (ردالمحتار ۱/ ٦٠١).

اور انگشت رکھنا عاجز کی نظر سے نہیں گذرا۔فليتحقق، اور نیز رسول اللہ ﷺ سے قبر کے سرہانے اول سورہ بقرہ اور پائینتی پر آخر اس کا پڑھنا ثابت ہے: «فقد ثبت أنه ﷺ قرأ عند رأس الميت وآخرها عند رجليه». (ردالمحتار ۱/ ٦٠٥)۔

اور قراءت اول بقرہ سے «مفلحون» تک اور آخر «آمن الرسول» سے ختم تک ہے، فليحفظ"۔(۲)

---

(۱) فتاوی رشیدیہ ص ۲٦۸۔

(۲) امداد الفتاوی ۱/ ۵۷۲-۵۷۳۔

اور ایک دوسری جگہ میں اس سے تفصیل کے ساتھ اس بارے میں بحث کی ہے، سوال وجواب دونوں ملاحظہ ہوں:

"سوال: درمختار کی عبارت ذیل سے «لایکرہ الدفن لیلا ولا إجلاس القارئین عند القبر وھو المختار»۔ اور اس کی شرح میں ردالمحتار کی عبارت ہے:

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں حضور ﷺ نے اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے، خود پڑھنے کی بات حدیث میں نہیں ہے۔اس کے بارے میں پہلے بھی ملا علی قاریؒ کے حوالے کے تحت تنبیہ کی گئی تھی۔

«لایکرہ الجلوس للقراءۃ علی القبر في المختار، لتأدیۃ القراءۃ علی الوجہ المطلوب بالسکینۃ والتدبر والاتعاظ اھـ. دریافت طلب امر یہ ہے کہ اجلاس قاری عند القبر کی کیا صورت ہوگی، اجرت پر یا لحاظ ومروت سے بٹھانے میں تو ثواب ہی قاری کو نہ ملے گا، ایصال ثواب میت کو کس طرح کرسکے گا، اب یہ خیال کہ للّٰہیت سے پڑھیں گے تو اجلاس کا لفظ اس کے منافی ہے، ایسی صورت میں احتساب سخت دشوار ہے، امید ہے کہ جواب شافی سے مطلع فرمادیں؟

جواب: اصل موضوع مسئلہ کا قراءۃ القرآن عند القبر ہے، اور جلوس واجلاس اس کی تعبیرات ہیں جو غیر مقصود ہیں اور مقید ہیں عدم مانع کے ساتھ، اور مانع میں اجرت وجاہ بھی داخل ہیں، تو قیام بھی جلوس کے ساتھ حکم میں شریک ہوگا، اور اس اجلاس یا اجرت وجاہ ممنوع ہوگا، اور اجلاس خالی عن المحظورات کا تحقق بھی ممکن ہے، گو مقصود حکم کرنا ہے قراءۃ القرآن عند القبر کا، چونکہ اس میں ایک قول کراہت کا بھی ہے، اس لیے اس کو مقصوداً بھی بیان کیا، چنانچہ عالمگیریہ کا جزئیہ اس پر صریح دال ہے «قراءۃ القرآن

عند محمد لایکره ومشایخنا أخذوا بقوله، وهل ینتفع والمختار أنه ینتفع هکذا في «المضمرات» ج۱ ص۱۰۷، قلت: والمراد من الانتفاع الأنس بالقراءة لاوصول الثواب لأنه لیس فیه عند الحنفیة».

پس اصل مسئلہ کا توجواب ہوگیا، اب دونوں قول یعنی کراہت اور عدم کراہت کی دلیل تبرعاً بیان کی جاتی ہے۔ قول بالکراہۃ کی وجہ عدم نقل ہذا القراءۃ ہے، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے: «ویکره عند القبر ما لم یعهد من السنة والمعهود منها لیس إلا زیارته والدعاء عنده قائما، کذا في «ردالمحتار». اور «قول بعدم الکراهة» کی وجہ نقل ہے: «وأکثر ما ورد فیه في «شرح الصدور»: عن علي مرفوعا من مرّ علی المقابر و قرأ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ إحدی عشرة مرة ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات. أخرجه أبومحمد السمرقندي في فضائل ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾. وعن أبي هریرة قال قال رسول الله ﷺ من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الکتاب و﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ و(ألهاکم التکاثر) ثم قال: اللهم إني جعلت ثواب ما قرأت من کلامك لأهل المقابر من المؤمنین والمؤمنات کانوا شفعاء له إلی الله تعالی. أخرجه أبوالقاسم سعد بن علي الزنجاني في فوائده.

وعن أنس أن رسول الله ﷺ قال: من دخل المقابر فقرأ سورة یس خفف الله عنهم وکان له بعدد من فیها حسنات. أخرجه عبدالعزیز صاحب الخلال بسنده. قال السیوطي: وهی وإن کان ضعیفة فمجموعها یدل علی أن لذلك أصلا. قلت: وقدیکتفی بالضعاف في

الفضائل وقد روى غير ذلك موقوفا ومرفوعا، وبعضها أجود إسنادا كما في «شرح الصدور» و«آثار السنن»، فمن أثبت ذلك نفى الكراهة ومن نفاه أثبتها. والله أعلم». [١]

۳۔ مفتی کفایت اللہ صاحب [۱۲۹۲ھ / ۱۳۷۲ھ]:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"سوال: سورہ بقرہ کا اول میت کے دفن کے وقت اس کے سرہانے پر پڑھنا، آخری رکوع سورہ بقرہ کا پاؤں کی طرف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں یہ مستحب ہے"۔ [۲]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ دفن کے بعد قبر کے سرہانے اور پاؤں کی جانب کلمہ کی انگلی رکھ کر اول وآخر سورہ بقرہ پڑھنی چاہیے، اور جو انگلی رکھ کر نہ پڑھے اس کے برا سمجھتے ہیں؟

جواب: سورہ بقرہ کا اول وآخر تو پڑھنا ثابت ہے، مگر انگلی رکھ کر پڑھنے کا ثبوت کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گذرا، البتہ معمول بزرگوں کا انگلی رکھنا ہے، جو نہ کرے اس پر معمول بزرگان ہونے سے الزام قائم نہیں ہو سکتا"۔ [۱]

---

(۱) امداد الفتاوی ۶/ ۱۹۲-۱۹۳۔

(۲) کفایت المفتی ۴/ ۶۲

۴- مفتی عزیز الرحمن صاحب:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"جواب: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبور کے سرہانے سورہ بقرہ کی اول تین آیتیں اور پیروں کی طرف سورہ بقرہ کی اخیر کی تین آیتیں پڑھنا مستحب ہے، شامی میں ہے: «وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها». اور "مشکوۃ شریف" میں ہے اس روایت کو مرفوع کیا ہے آنحضرت ﷺ کی طرف، پھر نقل کیا بیہقی سے کہ صحیح یہ ہے کہ روایت موقوف ہے ابن عمر پر۔ بہر حال اس روایت سے اس فعل کا استحباب ثابت ہوا، لیکن انگلی رکھنے کا قبر پر کچھ ثبوت نہیں ہے اور جب کہ یہ معلوم ہوا کہ یہ فعل مستحب ہے تو اگر کوئی نہ کرے تو موجب طعن و عتاب نہیں ہے، اور تارک گنہگار نہیں ہے۔ فقط"(۲)

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"سوال: دفن کرنے کے بعد اول سورہ بقرہ اور آخر سورہ مذکورہ کا پڑھنا جو مسنون ہے جہر سے پڑھا جائے یا بلا جہر؟

---

(۱) کفایت المفتی ۴/۵۸۔

(۲) فتاوی دار العلوم دیوبند ۵/۳۳۶۔

جواب: بلا جہر پڑھا جائے۔ فقط"[۱]

۵-مفتی محمود حسن گنگوہیؒ [۱۳۲۵ھ/۱۴۱۷ھ]:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"سورہ بقرہ کا اول آخر پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، انگشت شہادت کا مٹی میں رکھنا ثابت نہیں، بلکہ معمول مشائخ ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے کہ سوال وجواب میں آسانی ہوتی ہے، بعض صحابہ نے اس کی وصیت بھی فرمائی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم"۔[۲]

۶-مفتی رشید احمد لدھیانویؒ [۱۳۴۱ھ/۱۴۲۲ھ]:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"سوال: قبر پر قرآن مجید پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، البتہ اجرت پر قرآن پڑھوانا جائز نہیں۔۔۔۔"[۳]

۷-مولانا سرفراز خان صفدر صاحب متوفیٰ [۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء]:

موصوف ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۵/۳۵۰۔

(۲) فتاویٰ محمودیہ ۹/۱۰۸۔ مزید ملاحظہ ہو: [فتاویٰ محمودیہ ۹/۱۳۵-۱۳۶]۔

(۳) احسن الفتاویٰ ۴/۱۹۶۔

"نوٹ: دفن کے بعد قبر کے سرہانے اور اس کے پائنتی میں سورہ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھنا جائز ہے، اور صحیح حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح تسبیح و تہلیل اور تثبت وغیرہ کی دعا احادیث سے ثابت ہے" [۱]

موصوف نے تلاوت قرآن پر اجرت لینے کے مسئلے کے تحت اس مسئلے سے متعلق بھی تفصیل نقل کی ہے۔[۲]

اور ایک اور کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

"فائدہ: قبر پر قرآن پڑھنے کے بارے میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابویوسف کا یہ مسلک نقل کیا گیا ہے کہ وہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں، لیکن امام محمد اس کے جواز کا حکم دیتے ہیں، اور فتویٰ اسی پر ہے، چنانچہ امام السید احمد الطحطاوی الحنفی لکھتے ہیں کہ --- (الطحطاوي ص ۳٤۱). "عالمگیری" میں ہے کہ ہمارے فقہاء احناف نے امام محمد کا قول لیا ہے کہ عند القبر قرآن کریم پڑھنا درست ہے، اور «البحر الرائق» ۲۸۴/۱ میں ہے کہ والفتوی علی قول محمد۔ امام نووی «شرح مسلم» ۱۴۱/۱ میں لکھتے ہیں کہ قبر پر کھجور کی ٹہنیاں (جرید تین) رکھنے سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ عند القبر قراءۃ قرآن اور تسبیح سے تخفیف عذاب ہوتی ہے"۔[۳]

---

(۱) راہ سنت ص ۲۱۹۔

(۲) ملاحظہ ہو: راہ سنت ۲۵۲-۲۵۹۔

(۳) سماع موتی ص ۲۴۶-۲۴۷

۸- مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ:

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی "درس ترمذی" میں ہے:

"یہ ساری بحث تلقین بعد الدفن سے متعلق تھی، جہاں تک دفن کے بعد قبر پر تھوڑی دیر ٹھہرنے، میت کے لیے دعائے مغفرت کرنے اور قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانے کا تعلق ہے، سو یہ سب کام مستحب ہیں۔

اس کے علاوہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ تک اور پائنتی کی طرف سورہ بقرہ کی آخری آیات ﴿آمَنَ الرَّسُولُ﴾ سے ختم سورۃ تک پڑھنا مستحب ہے۔ واللہ اعلم"[۱]

○○○○

(۱) درس ترمذی ۳/۲۶۶

نابالغ بچوں کی قبر پر سورت بقرہ اول وآخر پڑھنے کا حکم

بظاہر نابالغ بچوں کی قبر پر سورت بقرہ اول وآخر پڑھنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، تاہم اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں، یا ان کے والدین کو اجر ملتا ہے، نماز جنازہ کی مشہور دعا میں «اللهم اغفر لصغيرنا وكبيرنا» کے الفاظ ہیں، جس میں بچے کے لئے مغفرت کی دعا کی گئی ہے، اس بارے میں بھی یہی جواب دیا گیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر کے حوالے سے علامہ سخاوی فرماتے ہیں: «فائدة في طلب المغفرة للصغير:

وأما الحكمة في طلب المغفرة للصغير مع أنه لا يلحقه إثم، فهي كما قال شيخنا رحمه الله إذ سُئل عن قولهم في دعاء الجنازة «اللهم اغفر لصغيرنا وكبيرنا» يحتمل أوجهاً:

أحدها: أن يكون المراد بطلبها له تعليقَها ببلوغه إذا بلغ، وفعل ما يحتاج إليها.

ثانيها: أن يكون طالبها لَه ينصرف إلى والديه، أو إلى أحدهما، أو إلى من ربّاه.

ثالثها: أنه ينصرف إليه برفع منزلته مثلاً، كما في البالغ الذي لاذنب له إذا فُرض، كمن مات بعد بلوغه بقليل، أو بعد إسلامه الخالص بقليل.

رابعها: أنه يتخرَّج على أحد أقوال العلماء في الأطفال والمراهقين، وكذا من بلغ العشر من السنين، فإنّ كل ذلك محتمل لأن المسألة إجتهادية، فيُحسن الدعاء لهم بإعتبار ذلك، والله أعلم». [1]

●●●

---

(١) القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع ص٥٦-٥٧.

سورۂ بقرہ کا اول و آخر جہر سے پڑھے یا آہستہ سے؟

قبر کے پاس سورۂ بقرہ کے اول و آخر کی تلاوت بلند آواز سے کی جائے یا آہستہ آواز سے، احادیث وروایات میں تو اس سلسلہ میں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض علماء نے اس سلسلہ میں مختصراً کچھ ذکر کیا ہے، مفتی رشید احمد گنگوہیؒ کے حوالے سے پیچھے گذر گیا ہے ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ دونوں طرح درست ہے۔ ملاحظہ ہو:

سوال: قبرستان میں قرآن شریف آواز سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: قبرستان میں قرآن شریف پکار کر اور آہستہ دیکھ کر اور حفظ سب طرح پڑھنا درست ہے، فقط (فتاوی رشدیہ ص۲۶۶)۔

مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بلا جہر پڑھا جائے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

سوال: دفن کرنے کے بعد اول سورہ بقرہ اور آخر سورہ مذکورہ کا پڑھنا جو مسنون ہے جہر سے پڑھا جائے یا بلا جہر؟

جواب: بلا جہر پڑھا جائے۔ فقط (فتاوی دار العلوم دیوبند ۵/۳۳۶)

علامہ عبد الحی لکھنویؒ نے اپنی کتاب «سباحة الفكر بالجهر بالذكر» میں اس سلسلہ سے متعلق کچھ بحث کی ہے، اس میں انہوں نے محمد بن الفضل بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ قبرستان میں جہر سے قرآن پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اگر آہستہ پڑھے تو مکروہ نہیں۔ اور فقیہ حافظ ابو اسحاق کے استاذ ابو بکر محمد بن ابراہیم فرماتے تھے کہ سورۃ اَلْمُلْكُ چاہے بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ آواز سے دونوں طرح جائز ہے۔ اور بعض مشائخ سے یہ

منقول ہے کہ ختم قرآن جماعت کی صورت میں جہراً مکروہ ہے۔ اور فتاوی قاضیخان میں ہے کہ اگر مقصود میت کے انسیت ہو تو بلند آواز سے پڑھے، اور ایصال ثواب کے لیے ہو تو بلند آواز سے پڑھنا ضروری نہیں، اللہ تعالیٰ ہر طرح سنتے ہیں۔ ان کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے:

«وفي الفتاوى: قراءة القرآن في القبور عند أبي حنيفة تكره، وعند محمد لاتكره، قال الصدر الشهيد: وبه أخذ مشايخنا.

وحكى عن محمد بن الفضل البخارى أن القراءة في المقابر إنما تكره إذا جهر وأما إذا أخفى فلا تكره.

وكان الفقيه أبو إسحاق الحافظ يحكي عن أستاذه الشيخ أبي بكر محمد بن إبراهيم أنه قال: لا بأس بقراءة سورة ٱلْمُلْكُ، أخفى أوجهر، ولم يفرق بين الجهر والخفية.

ومن المشايخ من قال: ختم القرآن بالجماعة جهرا مكروه. انتهى ملخصا.

وفي فتاوى قاضيخان: إن قرأ القرآن عند القبور، إن نوى بذلك أن يؤنسهم بصوت القرآن، فإنه يقرأ، فإن لم يقصد ذلك، فالله تعالى يسمع قراء ته حيث كان. انتهى». [1]

•••

---

(۱) سباحة الفكر في الجهر بالذكر، مجموعة رسائل اللكنوى ۳/ ٤٧.

حدیث ابن عمرؓ میں ایک تعارض کا حل:

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث امام خلالؒ تو اس طرح نقل کرتے ہیں کہ قبر کے سرہانے سورۃ بقرہ کا اول پڑھا جائے، لیکن اس حدیث کو امام طبرانیؒ اور امام بیہقیؒ نے جو نقل کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ قبر کے سرہانے سورۃ فاتحہ پڑھا جائے۔ اس کے بارے میں بظاہر یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح روایت وہ ہے جس میں سورۃ بقرہ کا اول ہے، جس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر ہے وہ درست نہیں ہے، یا تو یہ نسخے کی غلطی ہے اور یا کسی راوی کی زیادتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بیہقیؒ کی "شعب الإیمان" کی روایت جو صاحب مشکوۃ نے نقل کی ہے، اس میں سورۃ بقرہ کے اول کا ذکر ہے۔

اس بات کی دلیل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت لجلاجؓ کی روایت میں بھی سورۃ بقرہ کے اول کا ذکر ہے، اور خود ابن عمرؓ بھی امام خلالؒ کی روایت کے مطابق بھی اسی طرح ہے۔

خلاصہ بحث:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس مقالے کے مباحث کا خلاصہ پیش کیا جائے، کیونکہ اصل مقالے میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ ہر ایک حوالے درج کیا گیا ہے، جس میں دقت اور تحقیق کا خیال رکھا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ ہر قاری تمام مضمون کو ذہن میں رکھنے میں کامیاب نہ ہو، اس لیے خلاصہ میں ایک ہی جگہ میں تمام عبارات کا حاصل نقل کر دیا جاتا ہے، تفصیل معلوم کرنے کے لیے اصل مقالے کی طرف رجوع بھی کیا جا سکے گا۔

۱- حدیثی روایات:

پہلی حدیث:

دفن کے بعد قبر کے پاس سورت بقرہ کا اول آخر پڑھنا دو احادیث سے ثابت ہے، ایک حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ کی مرفوع و موقوف روایت ہے:

مرفوع روایت امام طبرانیؒ نے معجم کبیر میں نقل کی ہے جو یہ ہے:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يابني! إذا أنا مِتُّ فالحدني فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وعلى ملة رسول الله، ثم سن علي التراب سنا، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك.[١]

---

(١) المعجم الكبير للطبراني ٤/ ١٠٨.

عبدالرحمن بن علاء بن لجلاج اپنے والد علاء سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت لجلاجؓ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب میں مر جاؤں ،تو مجھے لحد میں رکھ دینا،اور یہ دعا پڑھنا «بسم الله وعلى سنة رسول الله» اور میرے سرہانے سورت بقرہ کا اول وآخر پڑھنا،کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے،وہ بھی فرماتے تھے۔"

موقوف روایت کو امام یحیی بن معینؒ، امام خلالؒ، امام لالکائیؒ، امام بیہقیؒ اور امام ابن عساکرؒ نے نقل کیا ہے،جو یہ ہے:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يابني! إذا أنا مت فضعني في اللحد وقل: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسن علي التراب سنا، واقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت عبدالله بن عمر يقول ذلك».(۱)

ترجمہ: "عبدالرحمن بن علاء بن لجلاج اپنے والد علاء سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت لجلاجؓ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب

---

(۱) تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري ۲/ ۳٤٦، حديث: ٥٢۳۸، كتاب القراءة عند القبور للخلال ص۸۷، شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة ٤/ ۱۲۲۷، السنن الكبرى للبيهقي ٥/ ٤۰٤، تاريخ دمشق لابن عساكر ٥۳/ ۲۲۷.

میں مر جاؤں، تو مجھے لحد میں رکھ دینا، اور یہ دعا پڑھنا «بسم اللہ وعلی سنة رسول اللہ» اور میرے سرہانے سورت بقرہ کا اول و آخر پڑھنا، کیونکہ میں نے عبد اللہ بن عمرؓ سے سنا ہے، وہ بھی فرماتے تھے"۔

مرفوع اور موقوف روایت میں تطبیق:

مرفوع اور موقوف کے بارے میں ایک تطبیق علامہ عبد اللہ غماریؒ نے یہ بیان کی ہے کہ مرفوع روایت حضرت لجلاجؓ کی ہے جو صحابی ہیں اور موقوف روایت حضرت علاء کی ہے جو تابعی ہیں اور حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں۔ دوسری تطبیق یہ ہے کہ حضرت لجلاجؓ ہی کبھی مرفوع نقل کرتے ہیں اور کبھی موقوف نقل کرتے ہیں۔

حدیث کا اسنادی حکم:

علامہ نوویؒ نے «كتاب الأذكار» میں، حافظ ابن حجرؒ نے «أمالي الأذكار» میں علامہ ابن علانؒ نے «الفتوحات الربانية» میں، علامہ شوکانیؒ نے «تحفة الذاكرين» میں، غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خانؒ نے «نزل الأبرار» میں، علامہ عبد اللہ غماریؒ نے «الرد المحكم المتين» اور «الحاوي في الفتاوي» میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے «إعلاء السنن» میں اس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔

اور علامہ نیمویؒ نے «آثار السنن» میں، اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے «إعلاء السنن» میں، اور علامہ سرفراز خان صفدرؒ نے «سماع موتی» میں، اور علامہ وہبی سلیمان غاوجی حفظہ اللہ نے «أركان إسلام» میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ ہیثمیؒ نے «مجمع الزوائد» میں، علامہ صالحی شامیؒ نے «سبل الهدیٰ» میں، اور غیر مقلد علامہ عبید اللہ مبارکپوریؒ نے «المرعاة شرح المشكاة» میں اس حدیث کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔

جبکہ اسی سند سے ایک دوسری روایت کو علامہ منذریؒ نے «الترغيب والترهيب» میں «لا بأس به» (اس میں کوئی جرح نہیں) سے تعبیر کیا ہے۔

اور اسی سند سے ایک روایت کو غیر مقلد علامہ عبد الرحمن مبارکپوریؒ نے «تحفة الأحوذي» میں حسن قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، یاذکر کیا ہے اور کسی قسم کی جرح نہیں کی ہے، اس کے لیے پچھلے صفحات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

اصل مقالے میں اس حدیث کے راویوں کے حالات تفصیل سے نقل کر دیے ہیں، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، ایک راوی عبد الرحمن بن العلاء بن لجلاج کی وجہ سے بعض حضرات نے چونکہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے اس راوی کے بارے میں مکمل تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ عبد الرحمن بن العلاء کے بارے میں متقدمین ائمہ فن نے کوئی جرح نہیں کی ہے بلکہ اس سے سکوت اختیار کی ہے، اور اس قاعدے کی تشریح کی گئی ہے کہ متقدمین ائمہ فن کسی راوی کے بارے میں سکوت اختیار کریں اور اس راوی سے منکر روایت منقول نہ ہو تو ان کا سکوت توثیق شمار ہوگی۔ اس کے علاوہ عبد الرحمن بن العلاء کے بارے میں علامہ ابن حبانؒ نے ثقاہت کی تصریح بھی کی ہے، اور توثیق میں علامہ ابن حبانؒ متفرد ہو تو اس کا کیا حکم ہے اصل مقالے میں اس پر بھی گفتگو کی ہے، اور ائمہ فن سے نقل کیا گیا ہے کہ یہاں ان کی توثیق کا اعتبار ہے۔ اس کے علاوہ عبد الرحمن

بن العلاء کو حافظ ابن حجرؒ نے مقبول کہا ہے، اور مقبول کے بارے میں ان کے قاعدے کی تشریح کی ہے کہ جس راوی سے روایات کم منقول ہوں اور اس پر کوئی جرح ثابت نہ ہو تو اگر ان کی روایات کے متابع ہوں تو وہ راوی مقبول ہے اور یہ توثیق کا جملہ ہے اور اگر متابع نہ ہوں تو لین ہوگا، اور یہ جرح کا کلمہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کا اس کے لیے مقبول کا لفظ استعمال کرنا اور خود عملی طور پر اس کی روایت کو حسن قرار دینا دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ اور سند مقبول ہے۔

اس کے علاوہ عبدالرحمن بن العلاء کو علامہ ابن شاہین نے بھی ثقات میں ذکر کیا ہے، جس کے بعد تو ان کی ثقاہت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

دوسری حدیث:

اور دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے ان کی یہ حدیث (۱) امام خلالؒ [۲۳۴ھ / ۳۱۱ھ]، (۲) امام طبرانی [۲۶۰ھ / ۳۶۰ھ] اور (۳) امام بیہقیؒ [۳۸۴ھ / ۴۵۸ھ] نے روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

«یحیی بن عبدالله الضحاك البابلتي، حدثنا أيوب بن نهيك الحلبي الزهري مولى آل سعد بن أبي وقاص قال: سمعت عطاء بن أبي رباح المكي، قال: سمعت ابن عمر، قال: سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات

أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمتها في قبره".[1]

[ترجمہ] "عطاء بن ابی رباح مکی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے سنا، وہ فرمارہے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، وہ فرمارہے تھے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہوجائے، تو اسے زیادہ دیر روکے نہ رکھو اس کو قبر کی طرف جلدی لے جاؤ، اور قبر پر اس کے سر کی جانب سورت بقرہ کا شروع، اور پاؤں کے پاس سورۂ بقرہ کا آخری حصہ پڑھو"۔

یہ روایت موقوف ہے یا مرفوع؟

یہ روایت مرفوع ہے، موقوف نہیں ہے، یعنی اس میں نبی کریم ﷺ کے قول کا ذکر ہے، صاحب مشکوۃ نے "مشکوۃ شریف" میں یہ حدیث نقل کی ہے، اور لکھا ہے کہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے، لیکن صاحب مشکوۃ سے یہاں امام بیہقیؒ کی بات سمجھنے میں تسامح ہوا ہے، امام بیہقیؒ اس روایت کو مرفوع نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت ہمیں موقوف بھی پہنچی ہے۔

حدیث کا اسنادی حکم:

حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباري" میں یہ حدیث نقل کرکے اس کی سند کو حسن درجے کا قرار دیا ہے، البتہ علامہ ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" میں اس کی سند کو ضعیف

---

(۱) كتاب القراءة عند القبور ص۸۸، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۲۹۲/۱. كلاهما للخلال، المعجم الكبير للطبراني ۲۵۵/٦، شعب الإيمان للبيهقي ٩١/ ٤٧٢، ٤٧١.

قرار دیا ہے۔ اس حدیث کے سند کے راویوں میں دو راویوں پر جرح منقول ہے، ایک یحیی بن عبد اللہ بابلتی ہے، جس کو متعدد محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اور دوسرے راوی ایوب بن نہیک ہے، جس کو بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ بظاہر حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ہیثمیؒ کی باتوں میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ مذکورہ راویوں کے بارے میں جرح زیادہ سخت نہیں ہے اس لیے ان کے نزدیک یہ صحیح کے درجے سے حسن کے درجے تک آگئی۔ یا دوسری تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث لجلاج کی وجہ سے اس کو حسن کا درجہ دیا اور اس کو اس کے لیے شاہد بنایا۔

۲- قبرستان میں مطلق تلاوت قرآن کے جواز کی احادیث:

اس کے تحت ان احادیث کا بھی جائزہ پیش کیا گیا، جن میں مردے کے پاس یا قبرستان میں سورۃ ﴿یٰس﴾، سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾، سورۃ ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾، سورۃ ﴿بقرہ﴾، سورۃ ﴿اَلْقَدْر﴾ کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

پہلی حدیث:

پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا «اقرأوا یٰس علی موتاکم» کہ مردے کے پاس سورۃ یٰس پڑھا کرو۔ یہ حدیث «مسند أحمد» «سنن أبي داود» «سنن ابن ماجه» وغیرہ میں ہے، اور اس کی سند کو علامہ ابن حبانؒ اور علامہ سیوطیؒ نے صحیح قرار دیا ہے، اور علامہ منذریؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے، جبکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ نے اس پر سکوت فرمایا ہے۔ علامہ البانیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن علامہ محمود سعید ممدوح نے

ان پر رد کیا ہے اور تفصیل کے ساتھ اس کے طرق اور شواہد نقل کر کے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن حبان نے «صحيح ابن حبان» میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں مردے سے مراد قریب المرگ شخص ہے، لیکن علامہ محب الدین طبری نے «غاية الإحكام» میں ان پر رد کیا ہے کہ یہ حدیث قریب المرگ شخص اور مردے دونوں کے بارے میں مفید ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے بھی «التلخيص الحبير» میں علامہ طبری کا یہ رد نقل کیا ہے۔ اور علامہ صنعانی نے «سبل السلام» میں لکھا ہے کہ حقیقتاً یہاں مراد مردہ ہے البتہ مجازاً اس کا اطلاق قریب المرگ پر بھی درست ہے۔

دوسری حدیث:

دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا «من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف عنهم يومئذ، وكان له بعدد من فيها حسنات». [ترجمہ] "جو قبرستان میں داخل ہو جائے، اور سورت یس کی تلاوت کرے، تو مردوں کا عذاب اس سے کم ہوتا ہے، اور مردوں کی تعداد کے بقدر اس کو نیکیاں ملتی ہیں"۔

یہ حدیث علامہ ثعالبی نے اپنی «تفسير» میں اور امام خلال کے شاگرد علامہ عبد العزیز نے «الشافي» میں، اور امام قرطبی نے «التذكرة في أفضل الأذكار» میں نقل کی ہے۔ علامہ سخاوی کو چونکہ اس کی سند نہیں ملی تھی اس لیے انہوں نے پورے جزم کے ساتھ اس حدیث کو «الأجوبة المرضية» میں موضوع نہیں کہا، البتہ اپنے

اس خیال کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ لیکن اس کی جو سند «تفسیر ثعالبي» میں ہے وہ موضوع ہے۔

تیسری حدیث:

تیسری حدیث یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا «من زار قبر والديه كل جمعة فقرأ عندهما أوعنده يس غفر له بعدد كل آية أو حرف». [ترجمہ] "جو ہر جمعہ کے دن اپنے والدین یا ان میں سے ایک کے قبر کے پاس سورۃ یس پڑھتا ہے، اللہ تعالی ہر حرف کے بدلے اس کی مغفرت فرماتے ہیں"۔

اس حدیث کو علامہ ابو الشیخؒ نے «طبقات المحدثين» میں، اور علامہ ابن عدیؒ نے «الكامل» میں نقل کیا ہے۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے «الموضوعات» میں اس کو موضوع قرار دیا ہے، لیکن علامہ سیوطیؒ نے «النكت البديعات» میں ان پر رد کیا ہے کہ یہ موضوع نہیں کیونکہ اس کا شاہد ہے، لیکن علامہ احمد غماریؒ نے «المداوي» میں علامہ سیوطیؒ پر رد کیا ہے کہ جو شاہد ہے اس میں ضعف شدید درجے کا ہے اور شواہد اور متابعات کے لیے یہ ضروری ہے کہ ضعف شدید درجے کا نہ ہو۔

چوتھی حدیث:

چوتھی حدیث یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا «من مر بالمقابر فقرأ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات». [ترجمہ] "جو قبرستان سے

گذرے، اور گیارہ مرتبہ سورت ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ کی تلاوت کرے، پھر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے، اس کو مردوں کی تعداد کے بقدر نیکیاں ملتی ہیں"۔

اس حدیث کو علامہ حسن خلالؒ نے «فضائل سورة الإخلاص» میں اور علامہ دیلمیؒ نے «مسند الفردوس» میں، اور علامہ قرطبیؒ نے «التذكرة» میں اور علامہ رافعیؒ نے "تاریخ قزوین" میں نقل کیا ہے۔ اس حدیث کی جو سند ہے وہ موضوع درجے کا ہے، کیونکہ اس میں دو کذاب راوی ہیں، جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے «الأجوبة المرضية» میں فرمایا ہے۔

پانچویں حدیث:

پانچویں حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «من دخل المقابر ثم قرأ ﴿فاتحة الكتاب﴾ و ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ و ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ ثم قال: إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات، كانوا شفعاء إلى الله تعالى».
[ترجمہ]: "حضور ﷺ نے فرمایا: جو قبرستان جائے اور وہاں سورت فاتحہ، سورت اخلاص اور سورت تکاثر پڑھے، اور اس کے بعد یہ کہے کہ میں اس کلام اللہ کے ثواب کو قبرستان کے تمام ایمان والوں مردوں اور عورتوں کو پہنچاتا ہوں، تو یہ مردے قیامت کے دن اس کے لیے سفارش کریں گے"۔

یہ حدیث علامہ زنجانیؒ نے «الفوائد» میں روایت کی ہے، اور ان سے علامہ سیوطیؒ «شرح الصدور» میں نقل کی ہے۔ چونکہ اس حدیث کی سند معلوم نہیں ہو سکی، اس لیے اس پر کسی قسم کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

چھٹی حدیث:

چھٹی حدیث یہ ہے کہ امام شعبیؒ فرماتے ہیں «كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرءون عنده القرآن». [ترجمہ] "حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ انصار صحابہ کرام کے ہاں جب کوئی فوت ہو جاتا، تو وہ اس کے قبر کے پاس آتے تھے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے"۔

یہ روایت امام خلالؒ «القراءة عند القبور» میں نقل کی ہے، اور «مصنف ابن أبي شيبة» میں اس کی وضاحت ہے کہ "انصار میت کے قبر کے پاس سورۃ بقرہ کی تلاوت کرتے تھے"۔

اس روایت میں مجالد بن سعید راوی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، البتہ قبر کے پاس سورۃ بقرہ کے جواز کے بارے میں حضرت لجلاجؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایات کی وجہ سے اس حدیث کو بھی تقویت مل جاتی ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا عمل صحابہ کرام میں رائج تھا۔

ساتویں اور آٹھویں حدیث:

"فتاوی امداد الاحکام" میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے دو روایتوں کو نقل کر کے لکھا کہ یہ دونوں ثابت نہیں ہیں، پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو سات پتھر لیکر ہر ایک پر سورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھے اور میت کے سرہانے رکھے، تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب قبر سے نجات دے گا"۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«أخرج الحاكم عن أنس بن مالك أنه قال قال رسول الله ﷺ: من أخذ سبعة حصاة أو مدر يقرأ على كل واحد قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ثلاثا ثم يضعها جانب رأس الميت ينجه الله تعالى من عذاب القبر الخ».

اس حدیث کو امام حاکم کی طرف منسوب کی گئی ہے، ان کی کتاب «مستدرك حاکم» میں یہ حدیث نہیں ہے۔

اور دوسری حدیث «کتاب النورین» کے حوالے سے جو یہ ہے کہ "جو قبر کی مٹی لے اور اس پر سورۃ القدر سات دفعہ پڑھے اور قبر میں ڈال دے تو قبر والے کو عذاب نہیں ہوگا"۔ لیکن یہ حدیث بھی نہیں مل سکی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«من أخذ من تراب القبر بيده وقرأ عليه سورة القدر سبعا وتركه في القبر لم يعذب صاحب القبر».

نویں حدیث:

نویں حدیث حضرت ابو امامہؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ سے ایک حدیث میں یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثومؓ کے قبر میں رکھنے کے بعد قرآن کی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں: ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ﴾.

یہ روایت «مستدرك حاكم» اور «سنن كبرى بيهقي» میں روایت کی گئی ہے، حافظ ابن حجرؒ «التلخيص الحبير» میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

۳- قبرستان میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کی حدیث:

بندہ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں قبرستان میں تلاوت کا عدم جواز معلوم ہوتا ہو، البتہ بعض حضرات ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ قبرستان میں قرآن کی تلاوت جائز نہیں، وہ حدیث یہ ہے: «لا تجعلوا بيوتكم مقابر فإن الشيطان يفر من البيت الذي يقرأ فيه سورة البقرة». (تم اپنے گھروں سے قبرستان نہ بناؤ، کیونکہ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے، جس میں سورہ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہے)۔ اس کے مفہوم مخالف سے اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ گھروں میں قرآن کی تلاوت کرو ان سے قبرستان نہ بناؤ جہاں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی، حالانکہ یہ حدیث اس حوالے سے صریح نہیں ہے، اور جواز کی صریح احادیث کی موجودگی میں صرف احتمالی بات کا اعتبار نہیں ہے۔

۴- مذاہب اربعہ:

اس مقالے کا ایک خاص موضوع مذاہب فقہیہ کی تحقیق بھی ہے، اس میں مذاہب اربعہ: حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ کے صحیح مسلک کو مدلل انداز میں نقل کیا گیا ہے، مذاہب اربعہ سب کا متفق بہ مسلک جواز کا ہے۔

۱- مذہب حنفی:

مذہب حنفی کے صف اول کے اکابرین جیسے امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ سے اس سلسلہ میں مکمل وضاحت نہیں مل سکی، سب سے پہلے علامہ ابن رشید حنفیؒ نے «خلاصة الفتاوى» میں یہ نقل کیا ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کے پاس کسی کو قرآن پڑھنے کے لیے بٹھائے تو یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک

مکروہ نہیں ہے، اور مشائخ حنفیہ نے امام محمدؒ کا قول اختیار کیا ہے"۔ لیکن اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ اختلاف اس خاص صورت سے متعلق ہو۔

اس کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی «فتاویٰ ابن تیمیة» اور «اقتضاء الصراط المستقیم» میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب کراہت کا نقل کیا ہے، اور اس کے بعد کئی علماء نے اسے نقل کیا ہے۔

لیکن ان سب سے مختلف علامہ قرافی مالکیؒ نے «الفروق» میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک جواز کا نقل کیا ہے۔

البتہ متاخرین ائمہ حنفیہ سے پوری صراحت کے ساتھ قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کا جواز ثابت ہے، اور اسی کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔ جن میں علامہ قاضی خانؒ، علامہ ابن ہمامؒ، علامہ ابن نجیمؒ، علامہ ملا علی قاریؒ، علامہ شرنبلالیؒ، اور علامہ شامیؒ قابل ذکر ہیں۔

۲- مذہب مالکی:

کوئی مستند روایت ایسی نہیں ملی جس میں امام مالکؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جواز یا عدم جواز منقول ہو، البتہ علامہ ابن تیمیہؒ نے «فتاویٰ ابن تیمیہ» اور «اقتضاء الصراط المستقیم» میں لکھا ہے کہ "امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو قبر کے پاس قرآن پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا"

اول تو امام مالکؒ کے حوالے سے یہ یقینی بات نہیں، اور اگر علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ حوالہ درست بھی ہو، تب بھی یہ ایک مضبوط دلیل نہیں، کیونکہ جب قبرستان میں تلاوت کرنے کی حدیث ثابت ہے، تو یہ کہا جائے گا کہ امام مالک تک یہ پہنچی نہیں ہوگی، جس کی بنا پر وہ اس کی نفی فرما رہے ہیں۔

علامہ وھبۃ الزحیلی حفظہ اللہ «الفقہ الإسلامي وأدلتہ» میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "قدماء مالکیہ کا مذہب تو عدم جواز کا ہے، البتہ متاخرین مالکیہ کا مذہب جواز کا ہے" یہی بات «الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ» میں بھی ہے، تاہم اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ دسوقی مالکیؒ نے مطلقا کراہت کا قول اختیار کیا ہے۔

۳- مذہب شافعی:

امام شافعیؒ قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے، ان کے شاگرد رشید علامہ حسن بن صباح زعفرانیؒ نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا، تو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ روایت امام خلالؒ نے سند کے ساتھ ذکر کی ہے، اور یہ سند صحیح ہے۔ لہذا علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ فرمانا کہ "امام شافعیؒ سے اس سلسلہ میں کچھ ثابت نہیں" اور علامہ البانیؒ کا امام شافعیؒ سے مذکورہ بالا روایت نقل کرکے اس کی صحت میں شک کرنا درست نہیں، اس سلسلہ کی جو تحقیق مقالے میں کی گئی ہے وہ ملاحظہ کرنے کے قابل ہے۔

مذہب شافعیہ کے متعدد علماء نے بھی قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، جن میں علامہ بیہقیؒ، علامہ نوویؒ، علامہ ابن حجرؒ، علامہ سیوطیؒ قابل ذکر ہیں۔

امام نوویؒ «ریاض الصالحین» میں امام شافعیؒ سے یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ دفن کے بعد قبر پاس اگر پورا قرآن ختم کیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے مذہب شافعی میں اس پر عمل بھی چلا آرہا تھا، چنانچہ علامہ ذہبی شافعیؒ «سیر أعلام النبلاء» میں مشہور شافعی عالم علامہ خطیب بغدادیؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: کہ (وفات کے بعد) ان کی قبر پر کئی قرآن ختم کیے گئے، اور اس پر کسی قسم کا رد نہیں کیا۔

۴- مذہب حنبلی:

امام احمد بن حنبلؒ شروع شروع میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے عدم جواز کے قائل تھے، چنانچہ ان کے شاگرد امام ابوداودؒ نے ان سے «مسائل الإمام أحمد» میں عدم جواز نقل کیا ہے، لیکن بعد میں جب علامہ محمد بن قدامہ جوہریؒ نے ان کے سامنے حضرت لجلاجؓ کی حدیث پیش کی تو انہوں نے رجوع کر لیا اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیدیا۔ علامہ خلالؒ نے «القراءة عند القبور» میں اس قصہ کو دو سندوں سے نقل کیا ہے، اور دونوں کے سند صحیح ہیں۔ علامہ البانیؒ امام احمدؒ کے رجوع کے قائل نہیں ہیں، لیکن ان کے سامنے امام خلالؒ کی صرف ایک سند ہے، اور اس سند کے راویوں کے حالات چونکہ ان کو نہیں ملے لہٰذا انہوں نے اس روایت کو رد کر دیا، بندہ نے اس سند کے راویوں کے حالات بھی ذکر کئے ہیں، اور دوسری سند کے راویوں کے حالات بھی ذکر کر دیئے ہیں، یہ دونوں سندیں اس قابل ہیں کہ ان سے یہ تاریخی خبر قبول کی جاسکے۔

اس کے علاوہ امام احمد بن حنبلؒ کے رجوع کے بارے میں تین اور روایتیں بھی نقل کر دیئے گئے ہیں۔ نیز حنبلی مذہب کے جید علماء بھی امام احمدؒ کے رجوع کے قائل ہیں، جن میں سے علامہ ابن قدامہؒ قابل ذکر ہیں۔

اس مسئلے سے متعلق علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ کے مذہب کی بھی تحقیق نقل کر دی گئی ہے، انہوں اس مسئلے کو اپنی کتاب «اقتضاء الصراط المستقیم» میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن انہوں نے اپنا مسلک بالکل واضح طور پر نقل نہیں کیا، بظاہر ان کا مختار مسلک اگر بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ قبر کے پاس دفن کے بعد تو قرآن پڑھنا چونکہ

ثابت ہے، لہذا یہ پڑھنا تو جائز ہے، اور بعد میں باری باری آکر قرآن پڑھنے کی عادت ڈالنا ناجائز ہے۔

حنبلی علماء میں امام خلال کا مقام بہت بلند ہے، ان کو مذہب حنبلی کا جامع اور مدون کہا جاتا ہے، ان کو امام احمدؒ کا زمانہ بھی ملا ہے، تاہم وہ ان کے ایک واسطہ سے شاگرد ہیں، اس لحاظ سے امام خلالؒ جو امام احمدؒ کا مسلک نقل کریں گے اس میں زیادہ وزن ہوگا، امام خلالؒ نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے بارے میں مستقل کتاب لکھی ہے «القراءة عند القبور» اور امام احمدؒ سے کئی روایات سند کے ساتھ نقل کئے ہیں، جس میں وہ جواز کے قائل ہیں اور ان میں ان کے رجوع کا ذکر ہے۔

۵- علماء دیوبند کے آراء و فتاویٰ:

اکابر علماء دیوبند کے فتاویٰ اور تصانیف کی طرف بھی رجوع کیا گیا، اکابر علماء دیوبند اگرچہ حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، اور حنفیہ کا مفتی بہ مسلک پہلے بیان ہو چکا، تاہم خصوصیت کے ساتھ ان کی عبارات بھی نقل کردی گئیں۔ چنانچہ مفتی رشید احمد گنگوہیؒ نے "فتاویٰ رشیدیہ" میں، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "امداد الفتاویٰ" میں، اور مفتی کفایت اللہؒ نے "کفایت المفتی" میں، مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" میں، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے "فتاویٰ محمودیہ" میں، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے "احسن الفتاویٰ" میں، مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے "راہِ سنت" اور "سماعِ موتیٰ" میں اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے "درسِ ترمذی" میں قبر کے سرہانے اور پاؤں کی جانب سورۂ بقرہ کے اول و آخر پڑھنے کو جائز اور ثابت قرار دیا ہے۔

●●●

فهرسُ المَراجع والمَصَادر

١. آثارالسنن، علامه محمدبن على نيموى، مكتبه حسينيه مردان.
٢. الأيات البينات في فضائل الأيات، مولانا فيصل ندوي، دارالفيحاء بيروت.
٣. إتقان الصنعة في تحقيق معنى البدعة، علامه عبدالله الغماري، طبع عالم الكتب.
٤. أثرالحديث الشريف في اختلاف الأئمة الفقهاء، علامه محمدعوامه، طبع دارالبشائر بيروت.
٥. الأجوبة المرضية للأسئلة الحديثية، للسخاوى، مكتبة الرشد رياض.
٦. أحسن الفتاوى، مفتى رشيد أحمد، إيچ أيم سعيد كراچي.
٧. أحكام الجنائز تأليف: علامه ناصرالدين ألباني ، المكتب الإسلامي بيروت.
٨. أدلة الحنفية، عبيدالله البهلوى، دار ابن كثير دمشق.
٩. الأذكار، علامه نووي، طبع دارالكتاب العربي بيروت.
١٠. أركان الإسلام، علامه وهبي سليمان غاوجي، دارالبشائر بيروت.
١١. أشعة اللمعات شرح مشكاة (فارسي)، شيخ عبدالحق محدث دهلوى، مجيديه ملتان.
١٢. الإصابة في تمييز الصحابة، ابن حجر العسقلاني، دارالفكر بيروت.
١٣. إعلاء السنن، علامه ظفرأحمد عثماني، إدارة القرآن كراچي.
١٤. اقتضاء الصراط المستقيم، علامه ابن تيميه حنبلي،
١٥. الإمتاع بالأربعين المتباينة السماع،لابن حجر العسقلاني، طبع: دارالكتب العلمية بيروت.
١٦. إمدادالاحكام، تأليف:مولانا ظفرأحمدعثماني، طبع: دارالمعارف كراجى.
١٧. إمدادالفتاوى، تأليف: مولانا أشرف على تهانوى دارالمعارف كراجى.

۱۸. الأمربالمعروف والنهي عن المنكر، إمام خلال، دار الكتب العلمية بيروت.
۱۹. إيضاح المكنون ذيل كشف الظنون ، اسماعيل باشا، دار إحياء التراث.
۲۰. البحر الرائق شرح كنزالدقائق تاليف: علامه ابن نجيم، رشيديه كوئته.
۲۱. تاريخ الإسلام ، تأليف: علامه ذهبي، دارالغرب الاسلامي بيروت.
۲۲. تاريخ أسماء الثقات ممن نقل عنهم العلم، ابن شاهين، تحقيق عبد المعطي القلعجي، دارالكتب العلمية بيروت.
۲۳. ثقات ابن شاهين، تحقيق صبحي السامرائي، طبع الدار السلفية ١٤٠٤هـ.
۲٤. تاريخ دمشق ، تأليف: إمام ابن عساكر، دار الفكر بيروت.
۲٥. التاريخ الكبير ، تأليف:إمام بخاری، دار الكتب العلمية بيروت.
۲٦. تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري طبع: دار القلم بيروت.
۲۷. التبيان في آداب حملة القرآن تأليف: علامه نووی، طبع : الرحيم اكيدمی كراتشي.
۲۸. تحفة الأحوذي شرح سنن الترمذي، علامه مباركپوری، دارالفكر بيروت.
۲۹. تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين تأليف:علامه شوكانی.
۳۰. تحقيق الآمال فيما ينفع الميت من الأعمال، للعلوی المالكی.
۳۱. التدوين في أخبار قزوين تأليف:علامه رافعی، دار الكتب العلمية بيروت.
۳۲. التذكار في أفضل الأذكار تأليف: إمام قرطبی، دار البيان دمشق.
۳۳. الترغيب والترهيب للمنذری، تحقيق إبراهيم شمس الدين، طبع باكستان، وتحقيق الألبانی، مكتبة المعارف، الرياض.
۳٤. التعليق الصبيح شرح مشكاة المصابيح، مولانا محمدإدريس كاندهلوي.
۳٥. التعريف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح وضعيف، تأليف: علامه محمود سعيد ممدوح، دار البحوث دبی.
۳٦. تفسير الإمام الثعلبي،

۳۷. تفهیم المسائل، مولانا گوہر الرحمن صاحب، طبع: تفهیم القرآن مردان.
۳۸. تقریب التهذیب، تألیف: علامه ابن حجر عسقلاني، تحقیق محمد عوامه، دار الیسر بیروت، وطبع قدیمی کراچی.
۳۹. التلخیص الحبیر، تالیف:علامه ابن حجر عسقلانی،
۴۰. تهذیب التهذیب،علامه ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیة بیروت.
۴۱. تهذیب الکمال، تألیف: علامه مزی، مؤسسة الرسالة بیروت.
۴۲. الثقات، تألیف: علامه ابن حبان، حیدرآباد الدکن.
۴۳. ثلاث رسائل في استحباب الدعاء ورفع الیدین فیه بعدالصلوات المکتوبة، مکتب المطبوعات العربیة بیروت.
۴۴. الجرح والتعدیل، تألیف: ابن ابی حاتم الرازي، دار الکتب العلمیة بیروت
۴۵. جمع الوسائل شرح الشمائل، ملا علی قاري، (مکتبة الشامله).
۴۶. حاشیة نورالإیضاح، تألیف: مولانا إعزاز علی، نورانی کتب خانه پشاور
۴۷. الحاوي في فتاوی الحافظ الغماري، طبع: دارالأنصارقاهره.
۴۸. الحرز الثمین بشرح الحصن الحصین، ملاعلی قاری، لکهنو هندوستان.
۴۹. حیاة الصحابة، تحقیق الباره بنکوی، کتب خانه فیضی لاهور.
۵۰. حیاة الصحابة، تحقیق بشار عواد، مؤسسة الرسالة، بیروت.
۵۱. حیاة الصحابة، أردو ترجمه مولانا إحسان الحق، کتب خانه فیضی لاهور.
۵۲. خلاصة الفتاوی، تألیف: علامه طاهر بن رشید، طبع: مکتبه حبیبیه کوئته.
۵۳. خلاصة تذهیب التهذیب، للخزرجی، مکتب المطبوعات بیروت.
۵۴. الدرایة في تلخیص نصب الرایة، ابن حجر عسقلانی، أثریه شیخوپوره.
۵۵. الدرالمختار، علامه علاء الدین محمد بن علی حصکفي، طبع: إیچ أیم سعید کراچي.
۵۶. ذیل تاریخ بغداد، تألیف:علامه ابن نجار، دارالکتب العلمیة بیروت.

٥٧. راہِ سنت، تألیف: مولانا سرفرازخان صفدر، طبع: مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ.
٥٨. ردالمحتارشرح الدرالمختار، تألیف: علامہ شامی، طبع: ایچ ایم سعید کراچی.
٥٩. ردالمحتار شرح الدرالمختار، تألیف: علامہ شامی، طبع دمشق، تحقیق الفرفور.
٦٠. الرد المحکم المتین في کتاب القول المبین، علامہ عبداللہ غماری، قاہرہ.
٦١. الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل، علامہ عبد الفتاح أبوغدہ، طبع پشاور.
٦٢. الروح تألیف: علامہ ابن القیم، طبع حیدرآباد دکن ہند.
٦٣. ریاض الصالحین، تألیف: علامہ نووي، طبع: قدیمی کراچی.
٦٤. سباحة الفکر بالجهر بالذکر، اللکھنوی، طبع إیران. وطبع بتحقیق العلامة عبدالفتاح ابوغدہ.
٦٥. سبل الهدی والرشاد في سیرة خیرالعباد، علامہ صالحی شامی، إحیاء التراث الإسلامی، القاہرہ.
٦٦. سبل السلام، للصنعانی، مکتبة المعارف، ریاض.
٦٧. سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة، علامہ ألباني، مکتبة المعارف ریاض.
٦٨. سماعِ موتی، مولانا سرفراز خان صفدر، طبع: مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ.
٦٩. سنن ابن ماجہ، دار إحیاء الکتب العربیة بیروت.
٧٠. سنن أبي داؤد،
٧١. سنن الترمذي، مصطفی البابی الحلبی
٧٢. السنن الکبری تألیف إمام بیهقي، طبع: دارالفکر بیروت.
٧٣. السنن للدارقطنی، مؤسسة الرسالة بیروت.
٧٤. سیر أعلام النبلاء، تألیف: علامہ ذہبي، طبع: مؤسسة الرسالة بیروت.

٧٥. شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة من الكتاب والسنة وإجماع الصحابة والتابعين ومن بعدهم تأليف: إمام لالكائي طبع: مكتبه إسلاميه مصر ١٤٢٤هـ.
٧٦. شرح الصدور، تأليف: علامه جلال الدين سيوطي، طبع پشاور.
٧٧. شرح العقيدة الطحاوية، تأليف: علامه ابن ابي العز حنفي، بيروت.
٧٨. شرح الفقه الأكبر، ملاعلي قاري حنفي، طبع: قديمی كتب خانه كراچی.
٧٩. شرح لباب المناسك، علامه ملاعلی قاری، إدارة القرآن كراچی.
٨٠. شعب الإيمان، تأليف: إمام بيهقی، طبع: مكتبة الرشد رياض.
٨١. الشمائل المحمدية، للترمذی، مصطفى أحمد الباز، مكه مكرمه.
٨٢. صحيح ابن حبان، مؤسسة الرسالة بيروت.
٨٣. طبقات الحنابلة، تأليف: قاضی ابن أبي يعلى حنبلي، مكة المكرمة.
٨٤. طبقات المحدثين بأصبهان، تأليف: علامه أبو الشيخ أصبهاني.
٨٥. عمل اليوم والليلة، تأليف: إمام نسائي، مؤسسة الرسالة بيروت.
٨٦. غاية الإحكام في أحاديث الأحكام، محب الدين طبری، دارالكتب العلمية، بيروت.
٨٧. فتاوی ابن تيمية، مكه مكرمه.
٨٨. فتاوی الدين الخالص، مولانا أمين الله، مكتبه محمديه گنج پشاور.
٨٩. فتاوی رشيديه، تأليف: مفتي رشيد أحمد گنگوهي، طبع: ايچ ايم سعيد كراچی.
٩٠. فتاوی عالمگيري، طبع: رشيديه كوئته.
٩١. فتاوی قاضي خان طبع: رشيديه كوئته.
٩٢. فتاوی محموديه، مفتی محمود حسن گنگوهي، طبع: جامعه فاروقيه كراچی.
٩٣. فتح الباري شرح صحيح البخاري، علامه ابن حجر، قديمی كراچی.
٩٤. فتح القدير شرح الهدايه، تأليف: علامه ابن همام، طبع: رشيديه كوئته.

۹۵. الفتوحات الربانية شرح الأذكار، علامه ابن علان، طبع: دارالفكر بیروت.

۹٦. فضائل سورة الإخلاص تألیف: علامه حسن الخلال (مكتبة الشامله).

۹۷. الفقه الإسلامی وأدلته، وهبة الزحيلی، دارالفكر بیروت.

۹۸. القراءة عند القبور، تألیف: علامه أبوبکر خلال، دارالكتب العلميه بیروت.

۹۹. القول البديع في الصلاة على النبی الشفيع، للسخاوی، تحقيق محمد عوامه، دار اليسر بیروت.

۱۰۰. الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة، للذهبي، تحقيق محمد عوامه، دار القبلة جده.

۱۰۱. الكامل في ضعفاء الرجال تألیف: إمام ابن عدی، دار الفكر بیروت.

۱۰۲. کشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، تألیف: علامه عجلونی، مكتبة العلم الحديث بیروت.

۱۰۳. کشف الستور عما أشكل من أحكام القبور، علامه محمود سعيد ممدوح، دارالفقیه.

۱۰٤. کشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، تألیف: حاجی خليفة ملا كاتب چلپی، دار إحياء التراث بیروت.

۱۰۵. کفایت المفتی تألیف: مفتی کفایت الله، طبع: دارالإشاعت کراچی.

۱۰٦. لسان الميزان، علامه ابن حجر، تحقيق أبوغده، مکتب المطبوعات بیروت.

۱۰۷. لسان المیزان، تألیف: علامه ابن حجر عسقلانی، تحقیق یوسف مرعشلی،

۱۰۸. لسان المیزان، تألیف: علامه ابن حجر عسقلانی، مؤسسة الأعلی بیروت.

۱۰۹. لمعات التنقیح شرح مشکاۃ المصابیح، شیخ عبدالحق محدث دهلوی طبع: مکتبہ سلفیہ لاہور.

۱۱۰. المتفق والمفترق، للخطیب، دار القادری بیروت.

۱۱۱. مجمع الزوائد، علامہ نورالدین ہیثمی، طبع: دارالکتب العلمیہ بیروت.

۱۱۲. المجموع شرح المہذب، علامہ نووی، دارالکتب العلمیة بیروت.

۱۱۳. المداوی لعلل جامع الصغیر وشرحی المناوی، أحمد غماری، بیروت.

۱۱٤. مراقی الفلاح شرح نورالإیضاح ، علامہ شرنبلالی، دارالقلم حلب.

۱۱۵. مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح تألیف: علامہ ملا علی قاری حنفی، طبع: دار الکتب العلمیة بیروت.

۱۱٦. مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح تألیف: علامہ عبیداللہ مبارکپوری، جامعہ سلفیہ بنارس.

۱۱۷. مسائل الإمام أحمد بن حنبل تألیف: إمام أبو داؤد سجستانی،

۱۱۸. المستدرک للحاکم،

۱۱۹. مسندالإمام أحمد، دار الحدیث القاہرۃ.

۱۲۰. مشارق الأنوار علی صحاح الآثار، للقاضی عیاض، دار التراث القاہرۃ.

۱۲۱. مشکاة المصابیح تألیف: علامه تبریزی، تحقیق: علامه ألبانی، المکتب الاسلامی بیروت.

۱۲۲. مصنف ابن أبي شیبة، تحقیق: علامه محمدعوامه، إدارة القرآن کراچی.

۱۲۳. معرفة السنن والآثار، للبیهقی، دار الکتب العلمیة بیروت.

۱۲٤. المعجم الکبیر، تألیف: إمام طبرانی، طبع: دارالکتب العلمیه بیروت.

۱۲٥. المغني لابن قدامه، طبع: القاهره.

۱۲٦. المقنع في فقه إمام السنة أحمد بن حنبل، علامه بن قدامه حنبلي.

۱۲۷. من روی عن أبیه عن جده، قاسم بن قطلوبغا، تحقیق باسم فیصل الجوابره، مکتبه المعلا کویت.

۱۲۸. میزان الاعتدال، تألیف: علامه ذهبي، دار المعرفة، بیروت.

۱۲۹. الموسوعة الفقهیة الکویتیة، کویت.

۱۳۰. الموضوعات، تألیف: علامه ابن الجوزی، المکتبة السلفیة، مدینه منوره.

۱۳۱. نتائج الأفکار في تخریج أحادیث الأذکار، حافظ ابن حجر، تحقیق حمدي عبدالمجید السلفي، دار ابن کثیر دمشق.

۱۳۲. نزل الأبرار بالعلم المأثور من الأدعیة والأذکار، علامه نواب صدیق حسن خان.

۱۳۳. نزهة النظر في توضیح نخبة الفکر، لابن حجر، تحقیق دکتور نورالدین عتر، مطبعة الصباح دمشق.

۱۳٤. نصب الرایة في تخریج أحادیث الهدایة، تألیف: علامه زیلعی، طبع قدیمي.

١٣٥. نصوص ساقطة من طبعات أسماء الثقات لابن شاهين، الدكتور سعد الهاشمي، مكتبة الدار بالمدينة المنورة.

١٣٦. النكت البديعات على الموضوعات تأليف: علامه جلال الدين سيوطى،

١٣٧. نورالإيضاح، تأليف: علامه شرنبلالي، طبع: دارالقلم حلب.

١٣٨. نورالإيضاح، تأليف: علامه شرنبلالي، حاشيه مولانا إعزاز على، طبع: پشاور.

١٣٩. نورالصباح في ترك رفع اليدين بعد الافتتاح، تأليف: مولانا حافظ حبيب الله ڈیروي، طبع: مكتبه قاسميه لاهور.

١٤٠. نيل الأوطارشرح منتقى الأخبار، علامه شوكانى، دلرالجيل بيروت.

●●●●●●●●●●●●●●●

●●●●●●●●●

●●●●●●●

●●●●

●

****

الوَقتُ أنفَسُ مَا عُنِيتَ بحِفظِه
وَأراهُ أسْهَلَ مَا علَيْكَ يَضِيعُ

****

****

"آج کامیابی حاصل کرنا آسان ہے۔ اگر تم زندگی میں ترقی کرنا، آگے بڑھنا چاہتے ہو تو زیادہ محنت کرو۔ زیادہ محنت کرنے کا کوئی مقابلہ نہیں ہوتا۔ کیا تمہیں جتنے کام کا معاوضہ دیا جاتا ہے تم اس سے زیادہ کام کرنے کو تیار ہو؟ تم ایسے کتنے لوگوں کو جانتے ہو جو حاصل ہونے والے معاوضے سے زیادہ کام کرنے کو راضی ہوں؟ اس سوال کا جواب یہی ہوگا کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں"۔

(تم جیت سکتے ہو ص ۹۹)۔

●●●●●

تأليف

الإمام العلامة الفقيه
الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي
(٩٥٨هـ/١٠٥٢م ١٥٥١/١٦٤٢م)

تقديم وتحقيق وتعليق

أسد الله خان البشاوري
متخصص في الحديث جامعة علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
مدرس بجامعہ دار العلوم الاسلامیہ سربند پشاور

مكتبة الأسد العلمية بشاور

اہلِ علم و ذوق کے لئے خوشخبری

عصرِ حاضر کے ایک سلگتے موضوع پر فاضل نوجوان جناب مولانا مفتی اسد اللہ صاحب پشاوری سلمہ اللہ تعالیٰ کی تازہ تالیف: ''قبر پر سورہ بقرہ اول و آخر کی تلاوت'' ایک تحقیقی جائزہ منظرِ عام پر آگئی ہے۔ خوبصورت ڈائی دار جلد میں، صاف ستھری کمپوزنگ، بیسیوں مصادر اور مراجع کے حوالوں اور تحقیقات سے مزین۔ تدفین کے بعد قبر کے سرہانے اور پائنتی سورہ بقرہ کا اول و آخر تلاوت کرنے کے ثبوت، نیز حالتِ نزع، قبر کے پاس اور قبرستان میں تلاوت وغیرہ کے حوالے سے منقول فضائل کی روایات کی تحقیق پر مشتمل۔ حدیث، فقہ، اسماء الرجال، جرح و تعدیل اور اصول حدیث کے گرانقدر مباحث سے مزین اس کتاب میں علمی دنیا کے اسلوب و انداز میں نام نہاد غیر مقلدین، بالخصوص شیخ البانی صاحب مرحوم اور دوسرے لوگوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔

قابلِ تقلید علمی، تحقیقی اسلوب و انداز کے علاوہ اصل مسئلہ کے ضمن میں دوسری علمی باتیں بھی آگئی ہیں، جو اہل علم و تحقیق کے لئے تسکین ذوق کا سامان ہیں۔ نئے فضلاء کو معاشرتی زندگی میں اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

مولانا ساجد احمد صدودی صاحب